داعش

دولت اسلامیہ عراق وشام

طارق اسمٰعیل ساگر



داعش

دولت اسلامیہ عراق وشام

طارق اسمٰعیل ساگر

ساگر پبلی کیشنز
16-ای ٹیمپل روڈ مہتہ سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور
Cell: 0300-9468248, Ph: 042-36361089
www.tariqismailsagar.com

نام کتاب.................داعش (دولت اسلامیہ عراق وشام)
مصنف.................طارق اسمٰعیل ساگر
ناشر.......................الوشاخان
سنِ اشاعت..............دسمبر 2014ء
قیمت.......................=/250روپے

اے دلوں کا حال جاننے والے

ربّ عزوجل

تجھ سے کچھ پوشیدہ نہیں کہ یہ بندہ ناچیز طویل عرصہ سے اپنی قوم کے نوجوانوں کو غیروں اور اپنوں کی سازشوں سے اپنی ناقص علمی کی حد تک باخبر رکھتا ہے۔ یا اللہ! میرے اخلاص پر گواہ رہ۔ مجھے ہدایت دے اور حوصلہ کہ میں سچائی کے اس راستے پر چلتا رہوں، آوازِ سگاں سے بے پروا، تیری رحمت کا امیدوار رہوں۔

یا اللہ! میں نے یہ کتاب تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے لکھی ہے میری اس عاجزی کو قبول فرما اور مجھے زندگی کے آخری سانس تک اپنے نام پر حاصل کردہ اس مملکت خداداد پاکستان اور اس کے محافظوں کی خدمت کی توفیق ارزانی کر۔ (آمین)

عنوانات

عرض مصنف

امت مسلمہ کے لیے دور حاضر ایک بہت ہی پر فتن دور ہے، جب دنیا بھر کے مسلمان یکے بعد دیگرے مسلسل مصائب و آلام کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان کے لیے ایک مصیبت ابھی ختم نہیں ہوتی کہ دوسری سامنے آجاتی ہے۔ اس وقت عالم اسلام کے لیے ایک نام نہاد مسلم تنظیم "داعش" بہت زیادہ تشویش اور اضطراب کا باعث بنی ہوئی ہے۔ خود ساختہ "دولت اسلامیہ فی العراق والشام" نامی اس تنظیم کو انگریزی میں ISIS کا نام دیا گیا ہے جو Islamic State in Iraq and Syria کا مخفف ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ تنظیم عراق اور شام میں اپنی پسند کی حکومت قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس نے جو راستے اور طریقے اختیار کیے ہیں، وہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تذلیل اور بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ اس کی چیرہ دستیاں اتنی بڑھ چکی ہیں کہ اس سال خطبہ حج کا بنیادی موضوع بھی یہی تنظیم تھی۔ سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز آل الشیخ نے میدان عرفات میں مسجد نمرہ سے خطبہ دیتے ہوئے امت مسلمہ کو "داعش" کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ "خود ساختہ، دولت اسلامیہ" انسانیت کی دشمن اور امت سے بالکل الگ ایک خارجی تنظیم ہے۔ ان کے لوگوں

نے ناحق انسانوں کا قتل کیا جبکہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ داعش کے پیروکاروں نے لوگوں کی عزتیں لوٹیں، مال لوٹا، یہ فتنہ سازی اور حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کو فساد پسند نہیں۔ امت مسلمہ کے دشمن انتشار پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسلمان ان کی سازشوں سے ہوشیار رہیں۔ بدقسمتی سے آج ہم اپنی مشکلات کا حل اپنے دشمنوں میں تلاش کر رہے ہیں جبکہ عالم اسلام کو اپنی فوجی اور سیاسی قوت مجتمع کر کے امت مسلمہ کے اتحاد کے لیے کام کرنا چاہیے۔''

نام نہاد ''دولت اسلامیہ فی العراق و الشام'' کی مذموم سرگرمیوں سے نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کی امن وسلامتی کو سنگین خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔ یہ تنظیم عراق اور شام میں اپنی پسند کی حکومت قائم کرنے کے بعد پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے کے عزائم رکھتی ہے اور دنیا کے مختلف ملکوں سے انتہا پسند نوجوان مرد اور خواتین اس میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں۔ ان میں یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور دیگر ممالک کے افراد بھی شامل ہیں۔ صورتحال اتنی گمبھیر ہے کہ امریکی صدر باراک اوباما نے بھی کچھ روز پہلے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کے دوران اس مسئلے پر گہری تشویش ظاہر کرتے ہوئے مسلم دنیا سے اپیل کی تھی کہ وہ اپنے عوام بالخصوص نوجوانوں کی فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ دیں۔ دنیا کے مختلف اسلامی ممالک کے ممتاز علمائے کرام نے ''آئی ایس آئی ایس'' کے خلاف اپنے فتاویٰ میں اسے غیر اسلامی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سرگرمیاں اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں۔ پاکستان علماء کونسل نے بھی ایک فتویٰ جاری کرتے ہوئے تمام مسلمانوں اور مسلم نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ ایسی تنظیموں سے کوئی تعاون نہ کریں جو دہشت گردی اور تشدد کو فروغ دے رہی ہیں، جن کا اسلام کی بنیادی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔

کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نام نہاد دولت اسلامیہ نے مسلم دنیا میں جو آگ بھڑکائی ہے، وہ کب بجھے گی لیکن ایک چیز واضح ہے کہ نقصان عرب اور اسلامی دنیا کا ہو رہا ہے اور اس

کے ذمہ دار وہ مسلمان حکمران ہیں جو عوام کی محرومیاں دور کرنے میں ناکام رہے اور جن کی ناکامیوں کی وجہ سے تشدد اور انتہا پسندی کو راہ ملی اور لوگوں کا سکون غارت ہوا۔ مسلم دنیا اور دیگر ملکوں میں جو عدم مساوات ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تک پوری اسلامی دنیا کی مجموعی قومی پیداوار 1200 اور 1300 ڈالر فی کس کے درمیان تھی جبکہ تنہا جاپان کی جی ڈی پی 5500 ڈالر تھی۔ مسلم دنیا میں 380 یونیورسٹیاں تھیں اور صرف جاپان میں ان کی تعداد 1000 تھی۔ تمام مسلم ممالک مل کر ایک سال میں 500 پی ایچ ڈی تیار کر رہے تھے اور صرف بھارت میں سالانہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والوں کی تعداد 5 ہزار تھی۔ ان اعداد و شمار سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلامی ممالک فوجی یا تعلیمی لحاظ سے اتنے کمزور ہیں کہ وہ موثر طریقے سے انتہا پسندوں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے جس کی وجہ سے وہ ان عالمی طاقتوں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں جو براہ راست یا بالواسطہ طور پر جنگجویانہ انتہا پسندی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تاکہ یہ ممالک ان کی خواہشات کے غلام رہیں اور باوقار اقوام میں ان کو جگہ نہ ملے اس صورتحال سے باہر آنے کا ایک ہی طریقہ ہے جس کی طرف سعودی عرب کے مفتی اعظم نے بھی اپنے خطبہ حج میں اشارہ دیا ہے کہ مسلم حکمران اللہ سے ڈریں اور اپنے عوام کی فلاح و بہبود کا خیال رکھیں۔ یہ نہ بھولیں کہ وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ جب تک مسلم حکمران خود کو ''اشرافیہ'' اور عوام کو اپنے غلام اور تیسرے درجے کے شہری سمجھتے رہیں گے اس طرح کے عذاب ان کے گلے میں پڑے رہیں گے جب وہ خود کو ماورائی مخلوق کے بجائے عام انسان سمجھنے لگیں گے تو یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ میں گزشتہ تین ماہ سے مغربی پریس میں داعش کے حوالے سے شائع تبصرے اور رپورٹس پڑھ رہا ہوں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جس طرح امریکہ نے ''افغان مجاہدین'' بنا کر اپنے لیے مستقل عذاب کھڑا کر لیا ہے۔ اسی طرح کی غلطی انہوں نے یہاں بھی دہرائی ہے۔ بدقسمتی سے جس کا خمیازہ حسب روایت مسلم امہ کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ ہمارے یہ دہشت گرد مجاہد صرف ان مسلم حکومتوں کو پریشان کرنے کے لیے

کھڑے کیے جاتے ہیں جو اسرائیل کی کسی نہ کسی سہولت میں مخالف رہی ہوں اور یہ کبھی بھی اسرائیل کے خلاف متحرک دکھائی نہیں دیں گے۔

میں نے اس مختصر کتاب میں وقت کے سنگین ترین مسئلے "داعش" پر قلم اٹھایا ہے۔ امید ہے اس تعارفی کتاب کا آپ ہمیشہ کی طرح کھلے دل سے استقبال کریں گے۔

طارق اسمٰعیل ساگر

دسمبر 2014ء

القاعدہ سے داعش تک
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

عراق اور شام کے بڑے حصے پر قابض ہونے اور خلافت اسلامیہ کے قیام کا اعلان کرنے والی تنظیم داعش کے خلاف امریکہ اور اس کی اتحادی قوتوں کے فضائی حملے جاری ہیں اور ایک اطلاع کے مطابق اگست کے وسط سے شروع ہونے والی ان فضائی کارروائیوں کے دوران امریکی اور اتحادی طیارے اب تک 4100 پروازیں بھر چکے ہیں امریکہ کو ان فضائی حملوں میں سعودی عرب، اردن، متحدہ عرب امارات اور بحرین کا عملی تعاون بھی حاصل ہے جبکہ داعش کے خلاف کھل کر میدان میں آنے کے دعویدار ایران نے ان کارروائیوں سے خود کو لاتعلق رکھا ہوا ہے عراق اور شام کے بڑے حصے پر قابض داعش یا آئی ایس آئی ایس کے خلاف فضائی حملوں کے آغاز کے بعد سے اطلاعات سامنے آ رہی ہیں کہ داعش کے جنگجوؤں کی نقل وحرکت محدود ہو کر رہ گئی ہے اور وہ منتشر ہو کر کارروائیاں کر رہے ہیں تا کہ بمباری کی زد میں نہ آ جائیں۔

داعش کی تشکیل سے لیکر عراق وشام کے بڑے حصے پر اس کے قبضے اور بعد ازاں اس کی

رف سے خلافت کے قیام کے اعلان تک ایران اور اس کے اتحادی مسلسل یہ الزام لگاتے آ رہے تھے کہ داعش کو سعودی عرب کی بھرپور تائید اور عملی تعاون حاصل ہے تاہم آج سعودی عرب داعش کے خلاف عملی کارروائیوں میں سب سے آگے نظر آ رہا ہے، حتیٰ کہ حج کے موقع پر سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز الشیخ نے اپنے خطبہ حج کے دوران داعش کو انسانیت کی دشمن اور خوارج قرار دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے لوگوں کی عزتیں لوٹیں، مال لوٹا، ناحق مسلمانوں اور انسانوں کو قتل کیا، ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے، اللہ کو فساد پسند نہیں، داعش کی سرگرمیاں ان دنوں میڈیا میں زیر بحث ہیں مختلف ناموں سے گشتہ پندرہ برسوں سے معراق میں سرگرم چلی آنے والی اس تنظیم کو اصل شہرت شام میں ہونے والی بغاوت کے بعد ملنی شروع ہوئی جب اس نے تیزی سے مختلف علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اسی طرح عراق میں سابق وزیر اعظم نور المالکی کی فرقہ پرستانہ روش کی بدولت سنی اکثریتی علاقوں میں داعش کی حمایت بڑھتی چلی گئی اور آخر کار 29 جون 2014 کو وہ دن آ ہی گیا کہ جب داعش نے خلافت اسلامیہ کے قیام کا اعلان کر دیا۔

اگر ماضی کا جائزہ لیا جائے تو 1999ء میں اس کی بنیاد ابو معصب الزرقاوی نے رکھی تعدازاں اکتوبر 2004ء میں الزرقاوی نے اپنی علاقائی تنظیم کو وسعت اور طاقت دینے کی غرض سے اسامہ بن لادن کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھاتے ہوئے نئی تنظیم قائم کرنے کا اعلان کیا جسے میڈیا نے پھر اے کیو آئی یعنی القاعدہ ان عراق کے نام سے پکارنا شروع کر دیا حالانکہ تنظیم نے اس نام سے کبھی خود کو نہیں پکارا بعدازاں جنوری 2006ء میں اے کیو آئی نے مذاکرات کے بعد علاقے میں موجود کئی دیگر گروپوں کے ساتھ انضمام کا اعلان کر دیا یوں مختلف تنظیموں کے اس ملاپ سے جو نئی تنظیم بنی اس کا نام مجاہدین شوریٰ کونسل رکھا گیا تاہم پانچ ماہ بعد بھی جون 2006ء میں الزرقاوی مارا گیا جس کے بعد 12/اکتوبر 2006ء کو مجاہدین شوریٰ کونسل نے مزید کئی علاقائی گروپوں کے ساتھ مل کر نئی تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا اور 18/اکتوبر 2006ء کو دولت العراق الاسلامیہ یعنی آئی ایس آئی (اسلامک

سٹیٹ ان عراق) کے قیام کا اعلان کر دیا گیا با قاعدہ ایک کابینہ بنائی گئی ابو بکر الرشید البغدادی کو تنظیم کا پہلا امیر مقرر کیا گیا ان کے دست راست مصر سے تعلق رکھنے والے ابو ایوب المصری تھے اپریل 2010ء میں ایک امریکی کارروائی کے دوران دونوں مارے گئے اور اس کے بعد موجودہ سربراہ ابو بکر البغدادی منظر عام پر آ گئے اس دوران عراق اور شام میں حالات تیزی سے بگڑتے چلے گئے دونوں ممالک کے حکمرانوں کی فرقہ پرستانہ روش کی بدولت داعش کیلئے حالات موافق ہوتے چلے گئے۔

8/اپریل 2013ء کو تنظیم نے باقاعدہ طور پر اپنے نیٹ ورک کو شام تک توسیع دیتے ہوئے دولت اسلامیہ فی العراق والشام یا آئی ایس آئی (داعش) کے قیام کا اعلان کر دیا اس دوران اسے عراق اور شام میں حیرت انگیز کامیابیاں ملنے لگیں اور وہ وقت بھی آ گیا جب شام کے شہر حلب سے لیکر الرقہ، دیرالزور کے ساتھ ساتھ عراقی صوبہ نینویٰ، الانبار اور ضلع صلاح الدین پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا 19 جون 2014ء کو اس نے عراق کی سب سے بڑی آئل ریفائنری بیجی پر قبضہ کر لیا یوں اب اسے تیل کی دولت پر بھی ہاتھ صاف کرنے کا موقع مل گیا اور آخر کار خلافت اسلامیہ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا جس کے بعد 3 جولائی 2014ء کو ابو بکر البغدادی نے تمام مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ دولت اسلامیہ کی طرف ہجرت کر آئیں تاکہ خلافت کے استحکام کیلئے کردار ادا کر سکیں عراقی شہر موصل کو اپنی خلافت کا پایہ تخت بنانے کا اعلان کے بعد 5 جولائی 2014ء کو داعش نے اپنی خلافت کے پاسپورٹ کا اجراء بھی کر دیا اسی دوران اس نے بڑے پیمانے پر مخالفین کا قتل عام شروع کر دیا ساتھ ہی ساتھ مزارات کی تباہی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جس کے باعث علاقے میں داعش کی سرگرمیوں پر تشویش بڑھتی چلی گئی۔

داعش نے شام میں بشارالاسد کے خلاف لڑنے والے باغیوں کو بھی بہت نقصان پہنچایا تجزیہ کار اس امر پر متفق ہیں کہ داعش کا قیام اور اس کی سرگرمیاں درحقیقت علاقے کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی اس عالمی منصوبہ بندی کا حصہ ہیں جس کے تحت اس خطے میں

غیر ملکی مداخلت جاری رکھنے اور تقسیم در تقسیم کے عمل کو تیز کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں امریکہ نے کسی زمانے میں جہادی کلچر کو فروغ دیا جب مطلب کے نتائج حاصل کر لیے تو یہی جہادی پہلے مسلح جنگجو اور بعد ازاں دہشت گرد بن گئے اب امریکہ میں مختلف اسلامی گروپوں کے حوالے سے ایک نئی اصطلاح سامنے آرہی ہے جس کے تحت وہ ''جہادی'' یا ''دہشت گرد'' جو کھلے عام امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے سرمایہ، اسلحہ اور ٹریننگ لے رہے ہیں ان کو ماڈریٹ مسلم فائیٹرز کہنا شروع کر دیا گیا ہے تاہم حقیقت تو یہی ہے کہ داعش اور ان ماڈریٹ مسلح گروپوں میں خاص فرق نہیں داعش بھی انہی اسلحہ ساز فیکٹریوں کا اسلحہ استعمال کر رہی ہے جس کا اسلحہ کھلے عام ان ماڈریٹ مسلح بنیاد پرستوں کو فراہم کیا جارہا ہے یہ امر بھی باعث حیرت ہے کہ خود کو خلافت اسلامیہ قرار دینے والی داعش کا رخ آج بھی مسلم ریاستوں کی طرف ہے، بیت المقدس کی آزادی آج بھی اس کی ترجیحات میں کہیں نظر نہیں آتی، حقیقت تو یہ ہے کہ خلافت اسلامیہ کی پھیلائی ہوئی تحریک نہ صرف مشرق وسطیٰ کے امن بلکہ وہاں بسنے والی مختلف قوموں، فرقوں اور مذاہب کے ماننے والوں کے ذہن وفکر اور رہن سہن کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتی جارہی ہے تجزیہ کار اس امر پر بھی حیرت کا اظہار کر رہے ہیں کہ دنیا بھر میں اسلامی جہادی تنظیموں کی کارروائیوں پر کڑی نگاہ رکھنے والے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی نگاہوں سے داعش کی سرگرمیاں کیسے مخفی رہ پائیں اس کو پنپنے کا موقع کیونکر ملا اور آخر آئی ایس آئی ایس کو امریکہ نے کیسے اپنے اسلحہ کے ذخائر تک پہنچنے کے مواقع دیئے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اسی امریکی اسلحہ نے آج اس تنظیم کو خطے کی سب سے موثر اور متحرک تنظیم کی شکل دیدی ہے تجزیہ کار اس امر پر بھی حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ داعش نے مغرب اور امریکہ میں چندہ کا مضبوط نیٹ ورک قائم کر لیا ہے حالانکہ نائن الیون کے بعد سے امریکہ اور اس کے اتحادی دنیا بھر میں رقومات کی آمدورفت پر گہری نگاہیں رکھنے کیلئے ایک منظم نظام قائم کر چکے ہیں اگر چند ہزار ڈالر بھی مغرب سے کسی اسلامی ملک کے مشکوک شخص یا کسی تنظیم کو جاتے ہیں تو اس کی انکوائری شروع ہو جاتی ہی مگر داعش نے نہ

صرف مشرق وسطیٰ میں اپنے حامیوں سے چندہ وصولی کا سسٹم قائم کر رکھا تھا بلکہ مغرب میں موجود اپنے حمایتیوں سے بھی رقم وصول کی جا رہی تھی اور تجزیہ کار سب سے زیادہ حیرت کا اظہار اس امر پر کر رہے ہیں کہ امریکہ کے ہوتے ہوئے تیل کا ایک بیرل بھی ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔

داعش کے زیر قبضہ علاقوں میں آج 12 آئل ریفائنریاں موجود ہیں ایک اندازے کے مطابق ان آئل رفائنریوں سے داعش ڈیڑھ لاکھ بیرل تیل روزانہ پیدا کرتی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ فروخت اور سمگل کرتی رہی جسے اسے یومیہ 30 لاکھ ڈالر یعنی ماہانہ 9 کروڑ ڈالر کی آمدنی ہوتی رہی یوں اس نے بہت بڑی رقم اکٹھی کر لی اب اگرچہ امریکی فوجی کارروائیوں کی وجہ سے تیل کی سمگلنگ میں کمی آئی ہے کیونکہ سمگلروں کو امریکی بمباری کی زد میں آنے کا خدشہ لاحق رہتا ہے تاہم پھر بھی آمدن کا یہ ذریعہ برقرار ہے داعش کے کردار کو عالم اسلام شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ داعش سے صرف مشرق وسطیٰ کو ہی خطرہ نہیں بلکہ پاکستان اور افغانستان کو بھی خطرات لاحق ہیں جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو یہاں پر نظام خلافت کیلئے مرحوم ڈاکٹر اسرار احمد ایک عرصہ تک کوشاں رہے اس مقصد کیلئے انہوں نے تحریک خلافت بھی شروع کی اور خود اس کے داعی مقرر ہوئے ان کی تمام جدوجہد کا نچوڑ یہی ہے کہ پاکستان اور عالم اسلام کے مسائل حل کرنے کیلئے اب خلافت کا قیام ناگزیر ہو چکا ہے مگر آج جبکہ عراق میں ایک مسلح گروپ نے خلافت قائم کرنے کا اعلان کر دیا ہے تو ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی تنظیم اسلامی نے اسے بہت بڑی عالمی سازش قرار دیتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ اس کا مقصد نظام خلافت کے خواہاں عناصر کو ایک جگہ جمع کر کے ان کو ایک ہی وقت میں تباہ و برباد کرنا ہے تنظیم کے سربراہ حافظ عاکف سعید نے یہ انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ آغاز میں داعش کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرنا اور اسے زیادہ سے زیادہ علاقے فتح کرنے دینا امریکی سٹریٹجی کا حصہ تھا ان کا کہنا ہے کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے نظام خلافت کے قیام کے خواہشمند مجاہدین کو مار ڈالنا بہت مشکل تھا اس پر امریکہ نے نئی حکومت عملی کے تحت ان کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کیلئے ماحول اور موقع فراہم کیا اس

انکشاف سے یقیناً نئی بحث کے دروازے کھلے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اب اس حوالے سے اسلامی ملکوں اور اسلامی تحریکوں کو نئے سرے سے سوچ بچار کرنا ہوگی طالبان سے خائف مغربی قوتوں نے پہلے طالبان کے نام پر بدنام کیا اب خلافت کے خواہش مندوں کے حوصلے ختم کرنے کیلئے خلافت کے نام کو بدنام کرنے کی مہم عرج پر ہے، اس نئی عالمی سازش کو بروقت سمجھنے کی ضرورت ہے وگرنہ نقصان سراسر عالم اسلام کا ہی ہوگا۔

☆☆☆

عراق اور شام کے بڑے حصے پر قابض ہونے اور خلافت اسلامیہ کے قیام کا اعلان کرنے والی تنظیم داعش کیخلاف امریکہ اور اس کی اتحادی قوتوں کے فضائی حملے جاری ہیں اور ایک اطلاع کے مطابق اگست کے وسط سے شروع ہونے والی ان فضائی کارروائیوں کے دوران امریکی اور اتحادی طیارے اب تک 4100 پروازیں بھر چکے ہیں امریکہ کو ان فضائی حملوں میں سعودی عرب، اردن، متحدہ عرب امارات اور بحرین کا عملی تعاون بھی حاصل ہے جبکہ دعش کیخلاف کھل کر میدان میں آنے کے دعویدار ایران نے ان کارروائیوں سے خود کو لاتعلق رکھا ہوا ہے۔ عراق اور شام کے بڑے حصے پر قابض داعش یا آئی ایس آئی ایس کیخلاف فضائی حملوں کے آغاز کے بعد سے اطلاعات سامنے آرہی ہیں کہ داعش کے جنگجوؤں کی نقل و حرکت محدود ہو کر رہ گئی ہے اور وہ منتشر ہو کر کارروائیاں کر رہے ہیں تا کہ بمباری کی زد میں نہ آ جائیں، داعش کی تشکیل سے لے کر عراق و شام کے بڑے حصے پر اس کے قبضے اور بعد ازاں اس کی طرف سے خلافت کے قیام کے اعلان تک ایران اور اس کے اتحادی مسلسل یہ الزام لگاتے آ رہے تھے کہ داعش کو سعودی عرب کی بھرپور تائید اور عملی تعاون حاصل ہے تاہم آج سعودی عرب داعش کے خلاف عملی کارروائیوں میں سب سے آگے نظر آ رہا ہے، حتیٰ کہ حج کے موقع پر سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز الشیخ نے اپنے خطبہ حج کے دوران داعش کو انسانیت کی دشمن اور خوارج قرار دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے لوگوں کی عزتیں لوٹیں، مال لوٹا، ناحق مسلمانوں اور انسانوں کو قتل کیا، ایک انسان کا قتل

پوری انسانیت کا قتل ہے، اللہ کو فساد پسند نہیں داعش کی سرگرمیاں ان دنوں میڈیا میں زیر بحث ہیں مختلف ناموں سے گزشتہ 15 سالوں سے عراق میں سرگرم چلی آنے والی اس تنظیم کو اصل شہرت شام میں ہونے والی بغاوت کے بعد ملنی شروع ہوئی جب اس نے تیزی سے مختلف علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اسی طرح عراق میں سابق وزیراعظم نورالمالکی کی فرقہ پرستانہ روش کی بدولت سنی اکثریتی علاقوں میں داعش کی حمایت بڑھتی چلی گئی اور آخرکار 29 جون 2014ء کو وہ دن آ ہی گیا کہ جب داعش نے خلافت اسلامیہ کے قیام کا اعلان کردیا اگر ماضی کا جائزہ لیا جائے تو 1999ء میں اس کی بنیاد ابومصعب الزرقاوی نے رکھی بعدازاں اکتوبر 2004ء میں الزرقاوی نے اپنی علاقائی تنظیم کو وسعت اور طاقت دینے کی غرض سے اسامہ بن لادن کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھاتے ہوئے نئی تنظیم قائم کرنے کا اعلان کیا جسے میڈیا نے پھر اے کیو آئی یعنی القاعدہ ان عراق کے نام سے پکارنا شروع کردیا حالانکہ تنظیم نے اس نام سے کبھی خود کو نہیں پکارا بعدازاں جنوری 2006ء میں اے کیو آئی نے مذاکرات کے بعد علاقے میں موجود کئی دیگر گروپوں کے ساتھ انضمام کا اعلان کردیا یوں مختلف تنظیموں کے اس ملاپ سے جو نئی تنظیم بنی اس کا نام مجاہدین شوریٰ کونسل رکھا گیا تاہم پانچ ماہ بعد ہی جون 2006ء میں الزرقاوی مارا گیا۔ جس کے بعد 12 اکتوبر 2006ء کو مجاہدین شوریٰ کونسل نے مزید کئی علاقائی گروپوں کے ساتھ مل کر نئی تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا اور 18 اکتوبر 2006ء کو دولت العراق الاسلامیہ یعنی آئی ایس آئی (اسلامک سٹیٹ ان عراق) کے قیام کا اعلان کردیا گیا۔ باقاعدہ ایک کابینہ بنائی گئی ابوبکر الرشید البغدادی کو تنظیم کا پہلا امیر مقرر کیا گیا ان کے دست راست مصر سے تعلق رکھنے ابوایوب المصری تھے اپریل 2010ء میں ایک امریکی کارروائی کے دوران دونوں مارے گئے اور اس کے بعد موجودہ سربراہ ابوبکر البغدادی منظر عام پر آگئے اس دوران عراق اور شام میں حالات تیزی سے بگڑتے چلے گئے دونوں ممالک کے حکمرانوں کی فرقہ پرستانہ روش کی بدولت داعش کے لیے حالات موافق ہوتے چلے گئے۔ 8 اپریل 2013ء کو تنظیم نے

باقاعدہ طور پر اپنے نیٹ ورک کو شام تک توسیع دیتے ہوئے دولت اسلامیہ فی العراق و الشام یا آئی ایس (داعش) کے قیام کا اعلان کر دیا اس دوران اسے عراق اور شام میں حیرت انگیز کامیابیاں ملنے لگیں اور وہ وقت بھی آ گیا جب شام کے شہر حلب سے لے کر الرقہ، دیرالزور کے ساتھ ساتھ عراقی صوبہ نینویٰ، الانبار اور ضلع صلاح الدین پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا 19 جون 2014ء کو اس نے عراق کی سب سے بڑی آئل ریفائنری بیجی پر قبضہ کر لیا یوں اب اسے تیل کی دولت پر بھی ہاتھ صاف کرنے کا موقع مل گیا اور آخر کار خلافت اسلامیہ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا جس کے بعد تین جولائی 2014ء کو ابوبکر البغدادی نے تمام مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ دولت اسلامیہ کی طرف ہجرت کر آئیں تاکہ خلافت کے استحکام کے لیے کردار ادا کر سکیں عراقی شہر موصل کو اپنی خلافت کا پایہ تخت بنانے کا اعلان کے بعد 5 جولائی 2014ء کو داعش نے اپنی خلافت کے پاسپورٹ کا اجراء بھی کر دیا اسی دوران اس نے بڑے پیمانے پر مخالفین کا قتل عام شروع کر دیا ساتھ ہی ساتھ مزارات کی تباہی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جس کے باعث علاقے میں داعش کی سرگرمیوں پر تشویش بڑھتی چلی گئی، داعش نے شام میں بشار الاسد کے خلاف لڑنے والے باغیوں کو بھی بہت نقصان پہنچایا تجزیہ کار اس امر پر متفق ہیں کہ داعش کا قیام اور اس کی سرگرمیاں درحقیقت علاقے کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی اس عالمی منصوبہ بندی کا حصہ ہیں جس کے تحت اس خطے میں غیر ملکی مداخلت جاری رکھنے اور تقسیم در تقسیم کے عمل کو تیز کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ امریکہ نے کسی زمانے میں جہادی کلچر کو فروغ دیا جب مطلب کے نتائج حاصل کر لیے تو یہی جہادی پہلے مسلح جنگجو اور بعد ازاں دہشت گرد بن گئے اب امریکہ میں مختلف اسلامی گروپوں کے حوالے سے ایک نئی اصطلاح سامنے آ رہی ہے جس کے تحت وہ ''جہادی'' یا ''دہشت گرد'' جو کھلے عام امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے سرمایہ، اسلحہ اور ٹریننگ لے رہے ہیں ان کو ماڈریٹ مسلم فائیٹرز کہنا شروع کر دیا گیا ہے تاہم حقیقت تو یہی ہے کہ داعش اور ان ماڈریٹ مسلح گروپوں میں خاص فرق نہیں، داعش بھی انہی اسلحہ ساز

فیکٹریوں کا اسلحہ استعمال کر رہی ہے جس کا اسلحہ کھلے عام ان ماڈریٹ مسلح بنیاد پرستوں کو فراہم کیا جا رہا ہے۔ یہ امر بھی باعث حیرت ہے کہ خود کو خلافت اسلامیہ قرار دینے والی داعش کا رخ آج بھی مسلم ریاستوں کی طرف ہے، بیت المقدس کی آزادی آج بھی اس کی ترجیحات میں کہیں نظر نہیں آتی، حقیقت تو یہ ہے کہ ''خلافت اسلامیہ'' کی پھیلائی ہوئی تحریک نہ صرف مشرق وسطیٰ کے امن بلکہ وہاں بسنے والی مختلف قوموں، فرقوں اور مذہب کے ماننے والوں کے ذہن وفکر اور رہن سہن کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتی جا رہی ہے تجزیہ کار اس امر پر بھی حیرت کا اظہار کر رہے ہیں کہ دنیا بھر میں اسلامی جہادی تنظیموں کی کارروائیوں پر کڑی نگاہ رکھنے والے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی نگاہوں سے داعش کی سرگرمیاں کیسے مخفی رہ پائیں اس کو پنپنے کا موقع کیونکر ملا اور آخر آئی ایس آئی ایس کو امریکہ نے کیسے اپنے اسلحہ کے ذخائر تک پہنچنے کے موقع دیئے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اسی امریکی اسلحہ نے آج اس تنظیم کو خطے کی سب سے موثر اور متحرک تنظیم کی شکل دیدی ہے تجزیہ کار اس امر پر بھی حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ داعش نے مغرب اور امریکہ میں چندہ کا مضبوط نیٹ ورک قائم کر لیا ہے حالانکہ نائن الیون کے بعد سے امریکہ اور اس کے اتحادی دنیا بھر میں رقومات کی آمدورفت پر گہری نگاہیں رکھنے کے لیے ایک منظم نظام قائم کر چکے ہیں اگر چند ہزار ڈالر بھی مغرب سے کسی اسلامی ملک کے مشکوک شخص یا کسی تنظیم کو جاتے ہیں تو اس کی انکوائری شروع ہو جاتی ہے مگر داعش نے نہ صرف مشرق وسطیٰ میں اپنے حامیوں سے چندہ وصولی کا سسٹم قائم کر رکھا تھا بلکہ مغرب میں موجود اپنے حمایتیوں سے بھی رقم وصول کی جا رہی تھی اور تجزیہ کار سب سے زیادہ حیرت کا اظہار اس امر پر کر رہے ہیں کہ امریکہ کے ہوتے ہوئے تیل کا ایک بیرل بھی ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا، داعش کے زیر قبضہ علاقوں میں آج 12 آئل ریفائنریاں موجود ہیں ایک اندازے کے مطابق ان آئل ریفائنریوں سے داعش ڈیڑھ لاکھ بیرل تیل روزانہ پیدا کرتی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ فروخت اور سمگل کرتی رہی جس سے اسے یومیہ 30 لاکھ ڈالر یعنی ماہانہ نو کروڑ ڈالر کی آمدنی ہوتی رہی یوں

اس نے بہت بڑی رقم اکٹھی کر لی اب اگرچہ امریکی فوجی کارروائیوں کی وجہ سے تیل کی سمگلنگ میں کمی آئی ہے کیونکہ سمگلروں کو امریکی بمباری کی زد میں آنے کا خدشہ لاحق رہتا ہے تاہم پھر بھی آمدن کا یہ ذریعہ برقرار ہے۔ داعش کے کردار کو مشکوک بنانے کے لیے یہ چند مثالیں دی جاتی ہیں داعش سے صرف مشرق وسطیٰ کو ہی خطرہ نہیں بلکہ پاکستان اور افغانستان کو بھی خطرات لاحق ہیں جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو یہاں پر نظام خلافت کے لیے مرحوم ڈاکٹر اسرار احمد ایک عرصہ تک کوشاں رہے اس مقصد کے لیے انہوں نے تحریک خلافت بھی شروع کی اور خود اس کے داعی مقرر ہوئے ان کی تمام جدوجہد کا نچوڑ یہی ہے کہ پاکستان اور عالم اسلام کے مسائل حل کرنے کے لیے اب خلافت کا قیام ناگزیر ہو چکا ہے مگر آج جبکہ عراق میں ایک مسلح گروپ نے خلافت قائم کرنے کا اعلان کر دیا ہے تو ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی تنظیم اسلامی نے اسے بہت بڑی عالمی سازش قرار دیتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ اس کا مقصد نظام خلافت کے خواہاں عناصر کو ایک جگہ جمع کر کے ان کو ایک ہی وقت میں تباہ و برباد کرنا ہے۔ تنظیم کے سربراہ حافظ عاکف سعید نے یہ انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ آغاز میں داعش کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرنا اور اسے زیادہ سے زیادہ علاقے فتح کرنے دینا امریکی سٹریٹجی کا حصہ تھا ان کا کہنا ہے کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے نظام خلافت کے قیام کے خواہش مند مجاہدین کو مار ڈالنا بہت مشکل تھا اس پر امریکہ نے نئی حکمت عملی کے تحت ان کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کے لیے ماحول اور موقع فراہم کیا اس انکشاف سے یقیناً نئی بحث کے دروازے کھلے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اب اس حوالے سے اسلامی ملکوں اور اسلامی تحریکوں کو نئے سرے سے سوچ بچار کرنا ہو گی طالبان سے خائف مغربی قوتوں نے پہلے طالبان کے نام پر بدنام کیا اب خلاف کے نام پر بدنام کیا اب خلافت کے خواہش مندوں کے حوصلے ختم کرنے کے لیے خلافت کے نام کو بدنام کرنے کی مہم عروج پر ہے اس نئی عالمی سازش کو بروقت سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وگرنہ نقصان سراسر عالم اسلام کا ہی ہو گا۔

☆☆☆

''داعش'' ایک تزویراتی تجزیہ

جب سے آئی ایس آئی ایس (اسلامک اسٹیٹ ان عراق اینڈ سیریا) نے شمالی عراق کے زیادہ تر حصوں کو زیر نگیں کیا ہے، مغربی طاقتیں اور تجزیہ کار ایک امنڈتے ہوئے خطرے کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ ان جہادی قوتوں کے نئے اور طاقتور ارتکاز کو ایک مہیب خطرہ مان رہے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ آئی ایس آئی ایس دراصل القاعدہ کا ہی نیا روپ ہے۔ تاہم یہ دونوں جائزے ہی درست نہیں۔ آئی ایس آئی ایس نہ تو القاعدہ ہے اور نہ ہی عالمی جہاد کا حصہ بن رہی ہے۔ اس کے کچھ اپنے مقاصد ہیں اور ان کا ہدف مغربی ممالک نہیں۔

بغداد کی طرف تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے آئی ایس آئی ایس نے شام اور عراق کی سرحدوں کو ختم کر دیا۔ انہوں نے بھاری تعداد میں جدید ہتھیار حاصل کیے اور تیل پیدا کرنے والے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس سے عالمی سطح پر تیل کی قیمت بڑھ گئی۔ اس کے بعد انہوں نے دنیائے عرب میں قبائلی، گروہی اور فرقہ واریت پر مبنی منافرت ابھاری اور اسلامی انتہا پسندی کو نئے معانی دیتے ہوئے نوجوان مسلمانوں کو اپنی طرف راغب کیا۔ آج اس کی صفوں میں مغربی ممالک سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ مسلم نوجوان بھی بڑی تعداد میں شامل ہو رہے ہیں۔ دراصل مغربی ممالک کو ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ اگر اس عراقی جہاد میں حصہ لینے والے ان کے شہری واپس اپنے وطن آ جاتے ہیں۔ تو ان جہاد آزما لڑکوں سے

کیسے نمٹا جائے گا؟ وہ مسلسل مسلم والدین سے اپیلیں کررہے ہیں کہ اپنے بچوں کو جنگ کا ایندھن بننے سے بچائیں اور ان کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھیں۔ آئی ایس آئی ایس سوشل میڈیا کو بھی بہت موثر طریقے سے استعمال کر رہی ہے۔

یکم رمضان، تیس جون 2014ء کو آئی ایس آئی ایس نے خلافت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ خلافت کا قیام جہادی گروپوں کی دیرینہ خواہش رہی ہے۔ وہ جدید ریاست، جمہوریت اور عوامی حقوق کو تسلیم نہیں کرتے۔ اپنے اپنے ممالک میں یہ گروہ حکومتوں سے اسی لیے برسر پیکار ہیں کیونکہ وہ وہاں سے روایتی ریاستی ڈھانچہ ختم کر کے وسیع اسلامی خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم ان ''کامیابیوں'' کے باوجود آئی ایس آئی ایس دنیا کے اس خطے میں کوئی نئی پیش رفت نہیں اور نہ ہی ایسے گروہوں کا وجود میں آنا کوئی انہونی یا انوکھی بات تھی۔ ایک اور بات، القاعدہ کے برعکس آئی ایس آئی ایس کو عالمی جہاد میں دلچسپی نہیں۔ یہ اپنے جنگجو کسی اور ملک میں نہیں بھیج رہی، ہاں دیگر ممالک سے جنگجو اس کی صفوں میں ضرور شامل ہو رہے ہیں۔ اسے بڑی حد تک طالبان، جو 1990ء کی دہائی سے پاکستان اور افغانستان میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں، سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ طالبان کی طرح آئی ایس آئی ایس کا مقصد ایک علاقے پر قبضہ کرتے ہوئے خلافت قائم کرنا ہے۔ یہ القاعدہ کی طرح لندن یا نیویارک کو بم سے اڑانے کی دھمکی نہیں دیتی اور نہ ہی اس مقصد کے لیے فتویٰ جاری کرتی ہے۔

☆☆☆

ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک آئی ایس آئی ایس کی صفوں میں تین ہزار غیر ملکی جنگجو شامل ہو چکے ہیں لیکن اس کا ہدف غیر مسلم نہیں بلکہ دیگر مسلمان، خاص طور پر اہل تشیع ہیں۔ اس کا ماٹو اس خطے سے اہل تشیع کا خاتمہ اور خالص سنی خلافت کا قیام ہے۔ جس طرح طالبان نے جنوبی اور وسطی ایشیا میں اسلام کی جہت تبدیل کر دی، بالکل اسی طرح آئی ایس آئی ایس مشرق وسطی میں اپنی مرضی کا اسلام نافذ کرنے کے لیے پرعزم ہے۔ آئی ایس آئی

ایس مشرق وسطیٰ کے دیگر علاقوں کا کنٹرول بھی چاہتی ہے۔اس کے ارادے یہ دکھائی دیتے ہیں کہ عراق اور شام کو زیرِ نگین کر کے پھر دیگر خطوں کی طرف بڑھا جائے۔پاکستانی طالبان بھی ملا عمر کو اپنا امیر مانتے ہیں۔وہ بھی ان دونوں ممالک کو یکجا کر کے خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

طالبان اور آئی ایس آئی ایس کے درمیان بہت سی دیگر قدریں بھی مشترک ہیں۔آئی ایس آئی ایس کے سخت جان جنگجوؤں کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے جبکہ طالبان جنگجوؤں کی تعداد بھی کبھی پچیس ہزار سے تجاوز نہیں کر پائی۔دراصل جس طرح کی جنگ وہ کر رہے ہیں،اس کے لیے بھاری بھرکم فوج کی ضرورت نہیں۔جب ایک لاکھ پچاس ہزار سے زائد مغربی افواج اور اس سے کہیں زیادہ افغان دستے جنگ میں حصہ لے رہے تھے تو بھی بیس سے پچیس ہزار کے قریب طالبان ان کو مصروف رکھے ہوئے تھے۔طالبان کی طرح آئی ایس آئی ایس کی صفوں میں بھی انتہائی شاندار کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم موجود ہے۔اس کے سخت جان، پرعزم اور سفاک جنگجو اعلیٰ تربیت یافتہ جنگ آزما ہوتے ہیں۔طالبان کی طرح ان کے پاس بھی لاجسٹک کی سہولت موجود ہے اور وہ بہت تیزی سے حرکت کر سکتے ہیں۔ دونوں گروہ نئے خون کو خوش آمدید کہتے ہیں اور بھرتی ہونے والے نوجوانوں کی تربیت کے لیے محفوظ مقامات پر ٹریننگ کیمپ رکھتے ہیں۔

آئی ایس آئی ایس نے کئی سالوں کی تیاری اسلحے کی سپلائی اور نوجوانوں کی بھرتی اور ٹریننگ کے بعد چند ہفتوں کے اندر اندر موصل اور کچھ اور اہم عراقی شہر فتح کر لیے طالبان نے بھی اسی طرح تیاری کی اور 1994ء میں چند ماہ کے اندر افغانستان کے جنوبی اور مشرقی علاقوں کو تسخیر کر لیا۔ان دونوں گروہوں کی بنیادی حکمت عملی یہ ہے کہ کبھی یہ دشمن پر سامنے آ کر کاری ضرب لگاتے ہیں تو کبھی گھات لگا کر وار کرتے ہیں۔دونوں گروہ ہنگامی اقدامات کی بجائے طویل المدت اسٹریٹجی کے تحت لڑ رہے ہیں۔دونوں وقت کا انتظار کرتے ہیں یہاں تک کہ حریف نرمی دکھائے اور پھر وہ اس پر ضرب لگائیں۔1996ء

طالبان نے دو سال تک کابل کا گھیراؤ کیے رکھا لیکن انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ پھر انہوں نے مشرق میں چھاپہ مار کارروائیاں شروع کر دیں جب حریف کی توجہ اس طرف ہوئی تو انہوں نے یکا یک کابل پر حملہ کر کے اس فتح کر لیا۔

طالبان اور آئی ایس کی سب سے موثر حکمت عملی بیک وقت کئی شہروں اور قصبوں میں کارروائیاں شروع کرنا ہے۔ اس کے لیے ان کے پاس لاجسٹک اور بھرتی کی سہولت میسر رہتی ہے۔ یہ مختلف جگہوں پر اپنی مرضی کا محاذ کھول سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں سرکاری افواج کنفیوژن کا شکار رہتی ہیں کیونکہ وہ اپنے وطن میں کھلم کھلا جنگ نہیں چھیڑ سکتیں۔ انہوں نے صرف جوابی کارروائی کرنا ہوتی ہے۔ طالبان اور آئی ایس آئی ایس کو ملنے والی کامیابیوں کے پیچھے ایک راز یہ بھی ہے کہ حریف کو ان کی اگلی حرکت کا علم نہیں ہو پاتا۔

جس طرح آئی ایس نے شام اور عراق کی سرحد کو ختم کر دیا ہے، بالکل اسی طرح طالبان بھی پاکستان اور افغانستان کے درمیان کسی بارڈر کو نہیں مانتے۔ ان کی دونوں ممالک میں آزادانہ حرکت اور کارروائیاں جاری رہتی ہیں۔ آئی ایس آئی ایس نے شام میں تیاری کی اور عراق کے شہر فتح کر لیے۔ اسی طرح افغان طالبان پاکستانی علاقوں میں اپنی پناہ گاہوں میں رہتے ہیں اور پھر وہ اپنی مرضی سے لائن عبور کر کے افغانستان میں کارروائیاں کرتے ہیں۔ اسی طرح پاکستانی طالبان بھی آپریشن کی صورت میں افغانستان میں پناہ لے لیتے ہیں اور پھر موقع پاتے ہی واپس آ کر تخریبی کارروائیاں کرتے ہیں۔ اس سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ آئی ایس آئی ایس اور طالبان جیسے گروہوں کو دو ایسے ہمسایہ ممالک کی ضرورت رہتی ہے جہاں وہ سرحدی علاقوں کو کنٹرول کرتے ہوئے اپنی نقل و حرکت کو آزاد اور محفوظ رکھیں۔ اس وقت جبکہ پاکستانی فورسز شمالی وزیرستان میں آپریشن کر رہی ہیں، یہ دیکھا جانا ہے کہ وہ اس طرح کی حرکت کو کس طرح روک پاتی ہیں۔ خبریں ہیں کہ اہم پاکستانی طالبان افغانستان میں پناہ لے چکے ہیں۔ اس آپریشن کی کامیابی صرف

اس صورت میں ممکن ہے جب طالبان کو میسر اس ''سہولت'' کا خاتمہ ہو سکے۔ بہر حال اگر پاکستان عراق جیسے حالات سے دوچار نہیں ہو سکا تو اسکی واحد وجہ اس کی عسکری قوت ہے۔ تاہم یہ دیکھنا باقی ہے کہ کیا اس مرتبہ اس فسادی گروہ کا خاتمہ ہوتا ہے یا پھر وہ افغانستان میں وقت گزار کر پھر پاکستانیوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیتے ہیں؟

☆☆☆

بیسویں صدی کو انسانی ترقی کے حوالے سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے آغاز کے ساتھ ہی انسان کی سہولت کے لیے نت نئی ایجادات ہوئیں وہیں ایک انسان کی اپنے مفادات کے حصول کے لیے دوسروں کو زیر کرنے کے نت نئے طریقے بھی متعارف ہوئے۔ یہ روش صرف ایک واحد فرد کی حد تک نہیں رہی بلکہ اس حوالے سے باقاعدہ اور منظم گروپ تشکیل پانے لگے۔ کہیں انہوں نے سیاسی طریقے سے جدوجہد کی اور عوامی حمایت سے حکومت قائم کر کے اپنے حریف کو شکست دی۔ اسی طرح کئی ممالک میں مسلح باغیوں نے حکومت کا تختہ الٹ کر حکومتیں قائم کیں تو کہیں فوجی بغاوتوں کے ذریعے حکومتوں کو ہاتھ دھونے پڑے۔ جہاں ان گروہوں کے مقاصد سیاسی تھے وہیں کئی گروہ اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کے لیے بھی سرگرم رہے۔ ان گروہوں نے کبھی صرف ایک خطے تک اپنی کارروائیوں کو محدود رکھا تو کچھ گروہ دنیا بھر میں اپنا جال بچھانے میں کامیاب ہوئے۔ یہی گروہ مختلف ممالک کے لوگوں کی حمایت حاصل کر کے انہیں نا صرف ان کی حکومتوں کے خلاف ابھارتے ہیں بلکہ انہیں اپنے منفی مقاصد کے حصول کے لیے بطور آلہ کار استعمال کرتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ان گروہوں کو بنانے میں دنیا کے بڑے ممالک پیش پیش ہوتے ہیں۔ تاہم بعد میں یہی گروہ ان ممالک کے خلاف ہی سر اٹھانے لگتے ہیں۔ نئی ہزاری شروع ہوئی تو القاعدہ کو دنیا بھر کے لیے خطرہ قرار دیتے ہوئے اس پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ایک جانب دنیا بھر کے ممالک اس کی سرکوبی کے لیے کوششیں کر رہے تھے تو برابر القاعدہ بھی دنیا بھر میں اپنی کارروائیاں زور و شور سے جاری رکھے ہوئے تھی۔ نائن الیون

واقعہ کے بعد دس سال تک القاعدہ کے خاتمے کی کوششیں جاری رہیں، تین سال قبل اس کے سربراہ اسامہ بن لادن کی پاکستان میں ہلاکت کے بعد القاعدہ کی کمر توڑ دینے کا اعلان کیا گیا۔لیکن گاہے بگاہے اس کے نئے سربراہ ایمن الظواہری کی جانب سے آنے والے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنظیم ابھی تک اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہے۔

نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر دہشت گردی کا واقعہ رونما ہوا تو اس وقت امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش نے القاعدہ کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے اس کے خلاف پوری دنیا کی حمایت حاصل کی۔ بعد میں اس کیخلاف صدر اوباما نے بھی وہی پالیسی جاری رکھی۔ رواں ماہ 11 ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے حملوں کے مقام گراؤنڈ زیرو پر منعقدہ تقریب سے خطاب میں صدر باراک اوباما نے اب کے بار داعش کو عالمی امن کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے ہوئے اس کا قلع قمع کرنے کا عزم کیا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عراق اور شام میں حکومتوں کے خلاف سرگرم عسکریت پسندوں کی تنظیم داعش خطے میں اپنی دہشت پھیلائے ہوئے ہے۔اس سے پہلے عالمی امن کے لیے القاعدہ کو بھی امریکہ کی طرف سے ہی خطرناک ترین تنظیم قرار دیا گیا تھا اور اس کی سرکوبی کے لیے دنیا کے طول وارض میں کارروائیاں شروع کر دیں گئیں۔القاعدہ کے اس وقت کے سربراہ اسامہ بن لادن چونکہ عربی نژاد تھے جنہوں نے افغانستان میں روس کے خلاف امریکہ کی جنگ میں اہم کردار ادا کیا۔اس جنگ میں دنیا بھر سے جہادیوں کو بھرتی کر کے افغانستان میں لایا گیا جن میں مشرق وسطی اور عرب ممالک سے تعلق رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔اس تنظیم کی فنڈنگ بھی زیادہ تر انہی ممالک سے ہو رہی تھی تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اسے امریکی سی آئی کی بھی مکمل معاونت رہی جس نے نا صرف اس کے کارکنوں کو عسکری تربیت دی بلکہ کھل کر رقم بھی فراہم کی۔ یوں امریکہ سمیت دیگر ممالک ایک عرصہ تک القاعدہ کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتے رہے۔سوویت یونین کے خاتمے کے بعد افغانستان میں جہادیوں کے رہنے کا جواز ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن بدقسمتی سے ان تربیت یافتہ جنگجوؤں کو آپس میں ہی لڑنے مرنے

کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ 1990ء میں پہلی خلیج جنگ کے دوران امریکہ عراق پر حملہ کرنے کے لیے آیا تو اسے سعودی عرب سمیت شرق وسطیٰ کے دوسرے ممالک کی مکمل حمایت حاصل تھی جنہوں نے امریکی فضائیہ کے لیے اڈے فراہم کیے۔ یہاں بھی جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ کے اڈے بدستور قائم رہے تو القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن نے مسلم ممالک کو امریکہ سے ''پاک'' کرنے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف کارروائیوں کا اعلان کیا۔ اسی تناظر میں 1998ء جب نیروبی میں امریکی سفارتخانے پر حملہ ہوا تو القاعدہ کو امریکہ کی جانب سے باقاعدہ دہشت گرد تنظیم قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف کارروائی کی منصوبہ بندی کی گئی۔ دوسری جانب القاعدہ نے امریکہ کے خلاف اپنی کارروائیاں جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ اس دوران امریکی خفیہ اداروں نے اطلاعات دیں کہ القاعدہ امریکہ پر بڑے حملے کی منصوبہ سازی کررہی ہے۔ اس دوران القاعدہ دنیا بھر میں اپنی کارروائیاں کرتی رہی۔ اس تنظیم میں صرف تربیت یافتہ جنگجو ہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے اس کے ایجنڈے سے متفق انتہائی ذہین اور قابل لوگ بھی شامل ہوتے رہے۔

القاعدہ چونکہ کئی ممالک کے باشندوں پر مشتمل تنظیم تھی۔ دنیا کی بڑی مالدار شخصیات سمیت بڑے کاروباری اداروں پر اس کی مالی معاونت کا الزام لگایا جاتا رہا۔ اس حوالے سے یہ بھی کہا جاتا رہا کہ یہ عالمی قوتوں کی جانب سے خودساختہ ایک تنظیم ہے جسے ان قوتوں نے اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا۔ یہ ایک عرصہ تک دنیا بھر میں دہشت کی علامت سمجھی جاتی رہی تاہم جیسے ہی اس کی قوت میں کمی کی اطلاعات آئیں تو ساتھ ہی دولت اسلامیہ والعراق والشام (داعش) بھی قدم جماتی نظر آئی جسے آج مستقبل میں عالمی امن کے لیے القاعدہ سے بھی بڑا خطرہ قرار دیا جارہا ہے۔ القاعدہ جب اپنے قدم جمارہی تھی تو ساتھ ساتھ ہی دنیا بھر سے مسلمانوں کی ہمدردیاں بھی سمیٹ رہی تھی۔ تاہم جب ان کی کارروائیاں مسلمان ممالک میں ہی شروع ہوئیں تو مسلمانوں کی رائے تبدیل ہوتی گئی۔ اس دوران القاعدہ سے ہی کئی گروہ الگ ہوکر نئی تنظیمیں بنانے لگے۔ داعش کے بارے میں

بھی یہی خیال ہے کہ یہ بھی القاعدہ سے وابستہ لوگوں کی ہی بنائی گئی ایک تنظیم ہے تاہم اس کا طریقہ کار مختلف رہا ہے۔ اردن سے تعلق رکھنے والے ابومصعب الزرقاوی نے 2002ء میں ''توحید الجہاد'' کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی۔ امریکہ نے 2003ء میں عراق پر حملہ کیا تو اگلے سال ہی ابومصعب نے اسامہ بن لادن کے ہاتھ پر بیعت کر لی جس کے ساتھ ہی القاعدہ کی چھتری تلے عراق میں امریکی اور اتحادی افواج کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ عراق میں چونکہ شیعہ اکثریت میں ہیں اور حملے کے بعد وہاں جب حکومت تشکیل پائی تو بھی اس میں سنی نمائندگی کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا۔ جب 2006ء میں ابو مصعب کی ہلاکت ہوئی تو اس کے بعد یہ تنظیم، القاعدہ فی العراق کے نام سے کام کرنے لگی جو حکومت مخالف مسلح گروہوں کی نمائندہ تنظیم بن کر سامنے آئی۔ یہ گروہ بنیادی طور پر خاص مسلک کا مخالف تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ عراق میں امریکی تسلط قائم کرنے میں اس مسلک کے گروپوں کا اہم کردار ہے۔ اسی طرح جب القاعدہ آف عراق کے جنگجوؤں نے سامرہ میں مزارات پر حملے کیے تو اسامہ بن لادن اور الظواہری نے ان کے اقدامات کی مخالفت کی اور انہیں اس سے سختی سے منع کر دیا۔ اس دوران ایک جانب امریکہ کی القاعدہ قیادت کے خلاف کارروائیاں شدت اختیار کر چکی تھیں تو ساتھ ہی عراق میں بھی اسی شدومد سے امریکی اور عراق فورسز حکومت مخالف گروہوں کے خلاف حملے جاری رکھے ہوئے تھے۔ زرقاوی کے قتل کے بعد القاعدہ آف عراق کا نام ختم ہو گیا لیکن اس گروہ کے لوگ وہیں کے وہیں موجود رہے اور ان کی باگ ڈور ابوعمر البغدادی کے ہاتھوں میں آ گئی جو بعد میں عراقی فورسز کے ایک آپریشن میں مارا گیا۔ اسی باعث القاعدہ فی العراق کی کارروائیاں محدود ہو کر رہ گئیں۔ اس کی ایک وجہ وسائل کی کمی کو قرار دیا جاتا ہے کیونکہ ان تنظیموں میں زیادہ تر دیگر ممالک سے جہادیوں کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلحے کی ترسیل اور رقم کی بھی بروقت فراہمی ضروری ہوتی ہے۔ اس دوران عراق ہی کے سنی قبائل پر مشتمل تنظیم سہوا سامنے آئی جس نے غیرملکی افواج کے خلاف اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔

اس تنظیم کو ایک مرتبہ پھر اس وقت تقویت ملی جب 2010ء میں ابوبکر البغدادی نے اس تنظیم کی باگ ڈور سنبھالی۔ عرب بہار کے اثرات شام میں آئے تو یہاں بھی حکومت مخالف احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس وقت یہاں النصرہ فرنٹ نامی تنظیم کے جنگجوؤں نے اسد حکومت کے خلاف مسلح کارروائیوں کا آغاز کیا۔ القاعدہ فی العراق اور النصرہ فرنٹ دونوں ہی القاعدہ سے وابستہ ہونے کی دعویدار تھیں۔ تاہم ان دونوں کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ القاعدہ کے سربراہ ایمن الظواہری نے ان کے درمیان مفاہمت کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ بعد میں الظواہری کی حمایت جولانی گروپ کے ساتھ رہی۔ یہ وہ دور تھا جب الظواہری نے داعش کو شام سے نکلنے کا کہا، لیکن القاعدہ فی العراق نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ واضح رہے کہ جب ابوبکر البغدادی نے اس کی قیادت سنبھالی تو یہ تنظیم دولت اسلامیہ فی العراق یا آئی ایس آئی کے نام سے جانی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس نے اپنی استعداد میں اضافہ بھی جاری رکھا۔ شام میں بشارالاسد کی حکومت کے خلاف عسکریت پسندوں کی مسلح کارروائیوں میں اس تنظیم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ امریکی افواج کے عراق کے انخلاء کے ساتھ ہی اس تنظیم نے عراق میں بھی کارروائیاں تیز کر دیں جبکہ شام میں النصرہ نامی تنظیم قائم کر کے شام میں بھی کارروائیاں جاری رکھیں۔ اپریل 2013ء میں ابوبکر البغدادی نے عراق اور شام میں اپنی تنظیموں کو یکجا کرنے کا اعلان کیا اور دولت اسلامیہ فی العراق والشام یا داعش کے نام سے ایک بڑی تنظیم بنالی۔ اس موقع پر النصرہ اور القاعدہ کے رہنماؤں نے البغدادی کی نئی تنظیم کو ماننے سے انکار کر دیا، لیکن النصرہ کے وہ جنگجو جو البغدادی کے حامی تھے انہوں نے داعش میں شمولیت اختیار کر لی۔ اسی سال کے اختتام تک داعش نے اپنی توجہ ایک مرتبہ پھر عراق پر مرکوز کر لی اور ملک کی شیعہ اکثریتی حکومت اور سنی آبادی کے درمیان موجود سیاسی تناؤ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یہی وہ موقع تھا جب مقامی قبائل کی مدد سے داعش نے عراق کے مرکزی شہر فلوجہ پر قبضہ کر لیا۔ بات یہاں رکی نہیں بلکہ رواں سال کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے جنگجوؤں نے شمالی شہر

موصل کو روندتے ہوئے بغداد کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔ رواں سال اپریل اور مئی میں اس نے عراق میں وسیع پیمانے پر اپنی کارروائیاں کر کے خود کو خوف اور دہشت کی ایک علامت ثابت کیا اور اگلے ہی ماہ جون میں اس کے سربراہ ابوبکر البغدادی نے خود کو تمام مسلمانوں کا خلیفہ قرار دے کر تنظیم کا نام بھی تبدیل کر کے دولت اسلامیہ رکھ لیا۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت 80 لاکھ افراد ان علاقوں میں پائے جاتے ہیں جو کلی یا جزوی طور پر دولت اسلامیہ کے کنٹرول میں ہیں۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں اس تنظیم نے نہایت سخت گیر شریعت کا اطلاق کر رکھا ہے جہاں عورتوں کو پردہ کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے جبکہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے ورنہ جزیہ دینے کا پابند کیا جارہا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنا سیاسی عدالتی نظام بھی قائم کر لیا ہے جس کے تحت جرائم پیشہ افراد کو سزائیں دی جارہی ہیں جن میں مجرموں کو درے لگانا اور سرعام پھانسی یا گولی مار دینا بھی شامل ہیں۔ دولت اسلامیہ کے زیر قبضہ علاقے کا رقبہ تقریباً نوے ہزار مربع کلومیٹر ہے جو اردن کے کل رقبے کے برابر ہے جبکہ کچھ اطلاعات کے مطابق دولت اسلامیہ کے زیر تسلط علاقے کا رقبہ چالیس ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ بہرحال عراق کے چار بڑے شہروں موصل، تکریت، فلوجہ اور طل افعار اور شام میں رقہ کے بڑے علاقے کے علاوہ دیگر اہم شہر اس کی حکومت میں شامل ہیں۔ یہ وہ شہر ہیں جہاں تیل کے بے شمار کنویں، پانی کے ڈیم، مرکزی شاہراہیں اور دیگر اہم تنصیبات شامل تھیں۔

یہ تنظیم اس قدر منظم اور طاقت ور ہونے میں کس طرح کامیاب ہو سکی؟ تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جس وقت شام میں اس کی کارروائیاں جاری تھیں تو دنیا کے متعدد ممالک کی جانب سے اس کی نا صرف پشت پناہی کی جارہی تھی بلکہ اسے بھرپور مالی مدد بھی فراہم کی جارہی تھی۔ مشرقِ وسطیٰ کی سیاست کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو وہاں صدیوں سے شیعہ اور سنی دو واضح گروہ ہیں خطے کے زیادہ تر ممالک چونکہ سنی ہیں، شام میں ایک عرصہ سے شیعہ حکومت قائم ہے جبکہ عراق میں بھی صدام کے خاتمے کے بعد ہی شیعہ حکومت قائم

ہوئی۔اس کی بڑی وجہ یہاں کی ساٹھ فیصد آبادی کا شیعہ ہونا ہے۔شام میں حکومت مخالف عسکری کارروائیوں میں نا صرف علاقے کے سنی جنگجو تھے بلکہ دنیا کے دیگر ممالک سے بھی انہیں جہاد کے نام پر یہاں اکٹھا کیا گیا۔یہاں آج بھی بظاہر خانہ جنگی قائم ہے لیکن پھر بھی اسد حکومت ابھی تک قائم ہے۔خطے میں سعودی عرب کو سنیوں کا نمائندہ ملک قرار دیا جاتا ہے،اس وجہ سے اس حکومت پر بھی ان جنگجوؤں کو مدد فراہم کرنے کا الزام سامنے آیا جسے سعودی حکومت کی جانب سے یکسر مسترد کر دیا۔دوسری جانب ایران اگرچہ عرب ممالک کا حصہ نہیں لیکن پھر بھی اس کی عرب ممالک میں کافی سرائیت ہے جس کی وجہ اس کا شیعہ ہونا اور خطے میں شیعہ مفادات کا تحفظ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایران کی جانب سے نوری المالکی کی حکومت کی مکمل حمایت کی جاتی رہی جبکہ شام میں جب عسکریت پسندی کا آغاز ہوا تو ساتھ ہی شام کو بھی ایران کی جانب سے مدد فراہم کی گئی۔چند ماہ قبل جب ابوبکر البغدادی نے خلافت کا اعلان کیا تو خطے کے متعدد سنی ممالک کی جانب سے اسے خطرہ قرار دیتے ہوئے اس سے محفوظ رہنے کی تدبیریں اختیار کی جانے لگیں۔سعودی عرب کی جانب سے عراق کے ساتھ سرحد مکمل بند کر کے اس پر تیس ہزار فوجی تعینات کر دیے گئے۔دولت اسلامیہ کے طاقتور ہونے میں ترکی پر بھی الزام عائد کیا جاتا رہا کہ ترکی مسلح جنگجوؤں کو شام میں اپنی سرحد سے داخل کرتا رہا۔یہاں یہ بھی الزام عائد کیا جاتا رہا کہ اس تنظیم کا مواصلاتی ہیڈ کوارٹر بھی ترکی میں تھا۔لیکن جیسے ہی دولت اسلامیہ عراق میں ترک سفارتخانے کے پچاس کے قریب اہلکاروں کو اغوا کیا گیا تو ترکی کی جانب سے اس کے خلاف کارروائی کرنے کا مطالبہ سامنے آنے لگا۔اس سے قبل نوری المالکی حکومت امریکہ سے اس کے خلاف کارروائی کے لیے استدعا کر چکی تھی جس کے بعد امریکہ کی جانب سے اس کے خلاف ڈرون حملے کرنے کا اعلان سامنے آیا۔تاہم گزشتہ ماہ سے امریکی فضائیہ اس کے کئی ٹھکانوں پر فضائی بمباری کر چکی ہے۔یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گزشتہ سال جب واضح ہو رہا تھا کہ یہ تنظیم اپنی جڑیں مضبوط کر رہی ہے تو اس کی کارروائیوں کو کیوں محدود نہ رکھا گیا۔گزشتہ ماہ اس تنظیم کے

ہاتھوں جب دو غیر ملکی صحافیوں کے قتل کا واقعہ سامنے آیا تو دنیا بھر سے اس کے خلاف کارروائی کا مطالبہ سامنے آنے لگا۔

عالمی اداروں کی جانب سے آغاز میں اس کی تعداد پر ہی بحث ہوتی رہی اور اس پر مختلف اعداد و شمار بیان کیے جاتے رہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق اس میں 80 ممالک سے زائد تربیت یافتہ جنگجو شامل ہیں۔جب واضح ہو گیا کہ ان کی کارروائیاں ابھی کسی صورت نہیں رک سکتیں تو گزشتہ ہفتے 11 ستمبر کو نائن الیون واقعہ کے 13 سال مکمل ہونے کے حوالے سے منعقدہ تقریب میں خطاب کرتے ہوئے صدر اوباما نے اس کے خلاف کارروائی کو ناگزیر قرار دیا۔اس دوران وزیر خارجہ بھی مشرق وسطی کے ممالک کے عہدیداروں سے دولت اسلامیہ کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔اس دوران فرانس کے صدر فرانسوا اولاند نے بھی دولت اسلامیہ کو عالمی خطرہ قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف بھرپور کارروائی کا مطالبہ کیا۔اس حوالے سے فرانس میں ہی گزشتہ دنوں دولت اسلامیہ کے خلاف مشترکہ کوششوں بارے کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں تیس ممالک کے وزرائے خارجہ شریک ہوئے لیکن اس میں خطے کے دو اہم فریقوں شام اور ایران کو دعوت نہ دی گئی۔کانفرنس میں شریک تمام ممالک نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ دولت اسلامیہ کے خلاف مل کر کارروائی کی جائے گی۔تاہم اس میں زمینی کارروائی کرنے کے حوالے سے کوئی بات واضح نہیں کی گئی، البتہ کانفرنس کے دولت اسلامیہ کے ٹھکانوں پر امریکی فضائیہ کے پے در پے حملوں کا آغاز کر دیا گیا ہے۔شام اور ایران کی جانب سے اس کانفرنس کو محض نمائشی قرار دیتے ہوئے اسے سخت تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ شام کے وزیر خارجہ کا کہنا تھا کہ دولت اسلامیہ کے خلاف کسی بھی اتحاد کے موثر ہونے کے لیے اس میں شام کے ساتھ ساتھ روس اور ایران کی شمولیت بھی ضروری ہے۔

صدر اوباما کی جانب سے جہاں اسے عالمی امن کے لیے بڑا خطرہ قرار دیا گیا تو ساتھ ہی انہوں نے چار نکاتی پالیسی بھی دی جس میں فضائی حملے، القاعدہ کیخلاف کارروائیوں

میں مصروف زمینی فورسز کی مدد کے علاوہ وسائل مہیا کرنا شامل ہیں۔ جان کیری کا اپنے ایک بیان میں کہنا تھا کہ صدر اوباما کی پالیسی کے ذریعے دولت اسلامیہ کو پیچھے دھکیلنے میں مدد مل سکتی ہے جبکہ یہ سیاسی اور عملی طور پر قابل عمل بھی ہے۔ دوسری جانب ناقدین کا کہنا ہے کہ محض چند فضائی حملوں سے ایسا ممکن نہیں کہ حالات معمول پر آ جائیں۔ اور خطے میں پرانے اختلافات اور دشمنیاں ختم ہو جائیں۔ اب جبکہ دنیا کے بڑے ممالک دولت اسلامیہ کے خلاف اتحاد بنانے جا رہے ہیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ ان کی یہ کوششیں کس حد تک کارگر ثابت ہو سکتی ہیں۔ یا پھر ان کا اتحاد صرف اپنے مفادات کے حصول تک ہی قائم رہتا ہے۔

☆☆☆

البغدادی
سی آئی اے کی نئی پیشکش

عراق میں امریکی مداخلت کے بعد سنی وشیعہ آبادیوں کے مختلف گروپس نے غیر ملکی جارحیت کے خلاف مزاحمت شروع کی۔ امریکی انخلا اور انتخابات میں مالکی کے وزیراعظم بننے کے بعد عراق میں مغربی سازش کے تحت فرقہ واریت فروغ پاگئی اور سنی گروپس نے اپنے اکثریتی علاقوں میں مزاحمت شروع کردی۔ کہا جاتا ہے داعش کی جڑیں ابومصعب الزرقاوی کی توحید الجہاد نامی تنظیم سے ملتی ہیں۔ زرقاوی امریکی حملے میں مارے گئے۔ 2006ء میں زرقاوی کے انتقال کے بعد دولت اسلامیہ فی العراق یا اسلامک اسٹیٹ آف عراق قائم ہوئی۔ تاہم، امریکی فوج نے طاقت کا استعمال کرکے اس کو زیادہ پنپنے نہیں دیا۔ بعدازاں، عراقی سنی قبائل کی تنظیم "سہوا" سامنے آئی تو آئی ایس آئی تقریباً غیر موثر ہو گئی۔ 2006ء سے 2010ء تک اس کی سرگرمیاں محدود اور غیر معروف تھیں۔ 2010ء میں ابوبکر البغدادی اس کے سربراہ بنے، تو اچانک اس کی قوت، استعداد اور کارروائیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور صرف دو برس کے اندر یہ تنظیم اتنی طاقتور ہوگئی کہ 2013ء کے آغاز میں ہی عراق میں درجنوں کامیاب حملے کرڈالے۔ اس نے شام کی مزاحمتی تحریک،

"النصرہ" کے ساتھ مل کر بشار الاسد کے خلاف بھی کارروائی شروع کر دی اور اپریل 2013ء میں البغدادی نے دولت اسلامیہ فی العراق وشام (داعش) کے نام سے نئی تنظیم بنالی۔ شام کی النصرہ، اس سے الگ ہوگئی۔ داعش کی کارروائیوں میں اچانک غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور عراق کے مرکزی شہر، فلوجہ پر اس نے قبضہ کر لیا۔ 2014ء میں موصول بھی ان کے کنٹرول میں چلا گیا۔ صرف ایک ماہ کے دوران داعش نے عراق کے درجنوں شہروں اور قصبوں پر قبضہ کر لیا اور دولت اسلامیہ کے نام سے عالم گیر خلافت کا اعلان کر کے ابوبکر البغدادی خلیفہ بن بیٹھا۔ داعش کی کارروائیوں میں وسعت آتی گئی اور اس نے ترک سرحد کے ساتھ شام کے کرد علاقے، کوبانی پر بھی قبضہ کر لیا۔ گویا ترکی کی سرحد تک پہنچ گئے اطلاعات کے مطابق دولت اسلامیہ اور اس سے محلقہ تنظیمیں شام وعراق کے چالیس ہزار کلو میٹر علاقے پر قابض ہیں۔ دیگر کا خیال ہے کہ یہ رقبہ 90 ہزار کلو میٹر ہے۔ اس وقت چار بڑے عراقی شہر موصل، تکریت، فلوجہ اور طل افصار اس کے کنٹرول میں ہیں، جہاں تقریباً 80 لاکھ افراد رہتے ہیں۔ اس کے جنگجوؤں کی تعداد 30 سے 50 ہزار بتائی جاتی ہے۔ مختلف ممالک کے غیر ملکی جنگجو بھی اس میں شامل ہو رہے ہیں۔ داعش کے پاس ہتھیاروں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ اطلاعات کے مطابق، داعش کے پاس 2 ارب ڈالر نقد موجود ہیں جس کے باعث یہ دنیا کا امیر ترین جنگجو گروپ ہے۔ عراق میں تیل وگیس کے بڑے ذخائر پر اس کا قبضہ ہے جس کی فروخت سے وہ دولت کما رہا ہے۔ تاہم یہ معلوم نہیں کہ اس سے تیل وگیس کون خرید رہا ہے اور کس ذریعے سے تیل وگیس منتقل ہوتے ہیں؟ کیونکہ تیل وگیس سبزی یا فروٹ کی ٹوکری نہیں، جو اٹھا کر ایک سے دوسری جگہ منتقل کر دی جائے۔

☆☆☆

مشرقِ وسطیٰ جنگ عظیم اول کے دور کی طرح ایک بار پھر بدامنی، انتشار، جنگ وجدل، سازشوں اور دہشت گردی کا شکار ہے اور بقول ترک صدر، رجب طیب اردوان، نئے لارنس عربیہ پرانی سازش کی تکمیل کے لیے سرگرم ہیں جس کا مقصد مشرقِ وسطیٰ میں ایک بار

پھر نئی سرحدوں (نئے ملک) کی تشکیل ہے۔ جنگ عظیم اول اور خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد عرب یکجہتی پارہ پارہ کر دی گئی تھی اور آج پھر عربوں کو ویسی ہی صورتحال کا سامنا ہے۔ دولت اسلامیہ فی العراق وشام کے اچانک تیز رفتار پھیلاؤ، 50 ہزار کلومیٹر سے زیادہ علاقے پر قبضے، غیر ضروری طور پر بعض مغربی صحافیوں کو اغواء کر کے قتل کرنے اور پھر اس کی ویڈیو جاری کرنے کے عمل نے اس تنظیم کی حقیقت کے بارے میں شبہات پیدا کر دیئے۔ مغربی میڈیا کی رپورٹس ہیں کہ البغدادی عراق میں امریکی قید میں تھا جو بعد ازاں رہا کر دیا گیا۔ امریکی حکام اس کی تردید کرتے ہیں اور بعض عرب ذرائع ابلاغ داعش کو امریکہ اور اسرائیل کی تشکیل کردہ تنظیم قرار دیتے ہیں۔ امریکی منحرف جاسوس ایڈورڈ اسنوڈن کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل مل کر اسے وجود میں لائے ہیں اور اس حکمت عملی (سازش) کا نام ہارنیٹس نیسٹ ہے اور اس کا مقصد مشرق وسطٰی میں عدم استحکام پیدا کرنا، اپنے ہتھیار فروخت کرنا، نئے ہتھیاروں کے تجربات کرنا اور یہودی ریاست کا تحفظ کرنا ہے۔ ایک غیر ملکی اخبار نے بعض اردنی افسران کے حوالے سے انکشاف کیا ہے کہ آئی ایس آئی ایس کے جنگجوؤں کو اردون میں امریکہ نے تربیت دی۔ جرمن جریدے "دا اسپا بگل" نے مارچ میں اپنی رپورٹ میں بتایا تھا کہ امریکہ، اردن میں شام کے خلاف لڑنے کے لیے جنگجوؤں کو تربیت دے رہا ہے۔ یہ دراصل داعش کے جنگجو تھے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ غیر ملکی سازش کے تحت مشرق وسطی میں آگ و خون کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت عرب مسلمانوں میں فرقہ واریت بھڑکا کر سنی وشیعہ لڑائی شروع کروائی گئی ہے۔ اس سازش کے باعث شام، عراق اور یمن میں دونوں مسلمان طبقوں کو آپس میں لڑوا دیا گیا ہے جبکہ سعودی عرب اور بحرین میں بھی شیعہ آبادی کو سنی حکمرانوں کے خلاف اکسایا جا رہا ہے۔ داعش کے خلاف امریکہ و اتحادیوں اور مقامی جنگجوؤں کی کارروائیاں جاری ہیں لیکن دونوں جانب مسلمان مر رہے ہیں۔ فضائی حملوں میں سینکڑوں عام شہری جاں بحق ہو چکے ہیں۔ اس مضمون میں داعش کا دوسرا رخ دیکھنے،

دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔یادرکھنا چاہیے کہ امریکہ و یورپ پوری پلاننگ کے تحت کام کرتے ہیں۔پہلے ماحول تیار کرتے اور پھر آگ بھڑکاتے ہیں۔بقول اقبال:

☆☆☆

نام نہاد دولت اسلامیہ فی العراق وشام (داعش) کے خودساختہ خلیفہ، ابوبکر البغدادی کے بارے میں اطلاعات ہیں کہ (مکمل طور پر تصدیق شدہ نہیں، کیونکہ مغربی میڈیا تواتر کے ساتھ اسلام مخالفت پروپیگنڈہ شائع ونشر کرتا رہتا ہے مگر مسلمانوں کے پاس آج کا یہ طاقت ور اور موثر ترین ہتھیار موجود نہیں۔مسلم ممالک کا میڈیا بھی مغربی نیوز ایجنسیز پر انحصار کرتا ہے ایسے میں اس خبر کی تصدیق کون کرے؟) وہ اسرائیلی اور یہودی والدین کی اولاد ہے اور اسے لانس آف عربیہ کی طرح تربیت، مسلمان کا بہروپ اور ابوبکر البغدادی کا نام دے کر داعش کا لیڈر بنا دیا گیا۔(اس دعوے کو مغرب کی ماضی کی سازش کے تناظر میں تقویت ملتی ہے جب برطانوی خفیہ ایجنٹ، لیفٹیننٹ کرنل تھامس ایڈورڈ لارنس (لارنس آف عربیہ) نے عرب شہزادہ بن کر عربوں اور ترکوں کے درمیان جنگ اور عربوں کی تقسیم میں کردار ادا کیا تھا) گلف ڈیلی نیوز، ویٹرنز ٹوڈے اور دیگر اخبارات نے امریکی نیشنل سکیورٹی ایجنسی (این ایس اے) کے منحرف ایجنٹ، ایڈورڈ اسنوڈن (جس نے امریکہ کی خفیہ کارروائیوں کو دنیا کے سامنے منکشف کیا تھا) کے حوالے سے انکشاف کیا ہے کہ البغدادی موساد کا ایجنٹ سائمن ایلات ہے جس کی تربیت موساد کے ساتھ ساتھ امریکی و برطانی ایجنسیز نے کی ہے۔ان اخبارات کے مطابق، اسنوڈن نے بتایا کہ ان تینوں ممالک نے مل کر دہشت گرد تنظیم کی تشکیل کی ہے جو دنیا کے تمام انتہا پسندوں کو متاثر کر کے ایک جگہ جمع کر سکے (داعش نے یہ کام کیا ہے) اسنوڈن کے مطابق، اس حکمت عملی کو ''دی ہارنیسٹس نیسٹ'' (The hornest's nest) کا نام دیا گیا ہے۔وکی لیکس میں مزید انکشاف کیا گیا ہے کہ موساد نے البغدادی یا سائمن ایلات کی پورے سال سخت فوجی تربیت کی۔اسے دینی تعلیم دی گئی اور تقریر کا فن سکھایا گیا۔اس تعلیم وتربیت کے سبب ہی

البغدادی یا سائمن نے جنگجوؤں کو اپنی لڑنے کی صلاحیت سے مرعوب اور مسلمانوں کو اپنی علمی قابلیت اور مسحور کن تقریری صلاحیت سے سحر زدہ کر دیا۔ مغربی اخبارات اسنوڈن کے اس انکشاف پر شک و شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تمام دستاویزات واشنگٹن پوسٹ اور دو صحافیوں کے سپرد کر چکا ہے۔ واشنگٹن میں اس کے اٹارنی سے تردید بھی کروائی گئی۔ تاہم روس میں موجود اسنوڈن نے خود اس کی تردید نہیں کی اور نہ اپنے حوالے سے شائع خبروں اور انکشاف کو غلط قرار دیا۔ البغدادی کے بارے میں داعش کے انٹرنیٹ فورم پر جاری کردہ تفصیلات کے مطابق وہ عراقی شہر سارا کے قریبی علاقے میں 1971 میں پیدا ہوا (تاہم اس علاقے یا گاؤں، محلے کا نام درج نہیں ہے) اس کا پورا نام ابو دعا ابراہیم بن عواد بن ابراہیم البدری الردادی الحسینی السماری بتایا گیا ہے۔ سابق ٹیچر ہے۔

اس نے بغداد یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے اور اسلامک سٹڈیز میں پی ایچ ڈی کیا اور اسلامی تعلیمات اور ثقافت پر اسے غیر معمولی عبور حاصل ہے۔ یونیورسٹی کا اس کا کوئی سابق ساتھی یا طالب علم اب تک سامنے نہیں آیا اور نہ اہل علاقہ و اہل محلہ نے اس کو جاننے کا دعویٰ کیا ہے۔

☆☆☆

نام نہاد دولت اسلامیہ فی العراق و شام کے پاس چھوٹے بڑے جدید جنگی ہتھیاروں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ اطلاعات ہیں کہ داعش کے پاس تین جنگی جہاز بھی ہیں جو حلب پر قبضے کے وقت ان کے کنٹرول میں آ گئے۔ برطانوی ریڈیو کے مطابق لندن میں مقیم گروپ کا کہنا ہے کہ صدام حسین دور کے کئی پائلٹس داعش سے مل گئے ہیں اور جنگجوؤں کو جہاز اڑانے اور لڑنے کی تربیت دے رہے ہیں۔ مغربی میڈیا کی رپورٹس کے مطابق داعش کے جنگجو جدید رائفلز، ہیوی مشین گنز اور آر پی جی۔7، استعمال کر رہے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق داعش کے زیر استعمال ہتھیاروں میں SA-7 اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے اسٹنگر میزائل، ٹینک شکن ہتھیار، 59 ٹائپ فیلڈ گنز، M198 توپیں T54155

M1, T72, ابرام مرکزی جنگی ٹینک، M1117 بکتر بند گاڑیاں، DSHK گنز سے آراستہ ٹرک ZU-2-3-2 طیارہ شکن گنز (اینٹی ایئر کرافٹ گنز) BM-21 ملٹی پل راکٹ لانچر اور اسکڈ میزائل شامل ہیں۔ موصل ایئر پورٹ پر قبضے کے وقت خاص تعداد میں UH60 بلیک ہاک ہیلی کاپٹرز اور کارگو جہاز بھی داعش کی تحویل میں آ گئے تھے۔ حال ہی میں امریکہ کی جانب سے گرائے گئے ہتھیاروں کی بڑی کھیپ بھی داعش کے ہاتھ لگی ہے۔ واشنگٹن کا کہنا ہے کہ یہ ہتھیار داعش کے خلاف لڑنے والے کرد جنگجوؤں کے لیے گرائے گے تھے جو "غلطی" سے داعش کے ہاتھ لگ گئے۔ تاہم عرب اور مغربی میڈیا کے کئی تجزیہ کار اور حکام شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ہتھیار خاص طور پر داعش ہی کے لیے گرائے گئے تھے ورنہ ہتھیار جیسی حساس و خطرناک چیز کو گرانے میں بہت زیادہ احتیاط برتی جاتی ہے۔ اس تناظر میں ایسی "سنگین غلطی" کا ہونا بظاہر ناممکن ہے۔

☆☆☆

نئے لارنس آ ف عربیہ انتشار پھیلا رہے ہیں: ترک صدر اردوان ترک صدر، رجب طیب اردوان نے مشرق وسطیٰ کی موجودہ صورت حال کا درست، برمحل، حقیقت پسندانہ تجزیہ کرتے ہوئے اس کا ذمہ دار "لارنس آف عربیہ" کو قرار دیا، جو مشرق وسطیٰ میں ایک بار پھر بدامنی پھیلا رہے اور انتشاب پیدا کر رہے ہیں۔ جناب اردوان نے استنبول یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا "لارنس ایک برطانوی جاسوس تھا جس نے عرب بہروپ اختیار کر لیا تھا اور عربوں میں برطانوی فوج کے ساتھ مل کر عرب عصبیت کو ابھارا۔ عرب شہزادے کی حیثیت سے گوریلا جنگ میں عربوں کی قیادت کی اور مسلمان عرب بن کر مسلمانوں کو تقسیم کروا دیا"۔ ترک صدر نے کھل کر کسی تنظیم کا نام نہیں لیا۔ تاہم، ان کا اشارہ واضح طور پر داعش کی طرف اور عمومی طور پر ان گروپس اور قوتوں کی طرف تھا جو مشرق وسطیٰ میں عدم استحکام اور انتشار و بدامنی پھیلا رہے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ "یہ لوگ پریس کی آزادی، خودمختاری کی جنگ اور جہاد کی آڑ میں Sykes-picot معاہدے کر رہے

ہیں''۔ان کا اشارہ برطانیہ اور فرانس کے درمیان جنگ عظیم اول کے بعد ہونے والے معاہدے کی طرف تھا جس کے نتیجے میں مشرقِ وسطیٰ پر خلافِ عثمانیہ کا اقتدار ختم اور عربوں کو کئی ممالک میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ مدبر دانشور اور دور اندیش ترک صدر طیب اردوان نے طلبہ کو بتایا ''اس علاقے (مشرقِ وسطیٰ و قرب و جوار) میں ہر تنازع ایک صدی قبل ڈیزائن کر لیا گیا تھا جب جنگ عظیم اوّل کے بعد مشرق وسطیٰ کی سرحدوں کا از سر نو تعین کیا گیا تھا۔ یہ ہماری ذمہ داری اور فرض ہے کہ اس کو روکیں''۔

☆☆☆

مغربی میڈیا عراق پر کارروائی کے حوالے سے خود کو دروغ گو اور امریکہ اور مغربی ممالک کی پروپیگنڈا مشین ثابت کر چکا ہے۔ عراق پر حملے کے لیے وسیع تباہی کے ہتھیاروں کی موجودگی کا بے پناہ پروپیگنڈا کیا گیا۔ ان ہتھیاروں کو جواز بنا کر ان کی آڑ میں عراق پر امریکہ نے حملہ کر دیا بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی اور ہزاروں عراقی مارے گئے لیکن وسیع تباہی کے ہتھیاروں کا ایک ٹکڑا بھی نہ مل سکا۔ عراق کو خاک و خون میں نہلانے کے بعد امریکہ، مغربی ملکوں، مغربی میڈیا نے اعتراف کیا کہ عراق میں ایسے کوئی ہتھیار موجود نہیں اور جس منحرف عراقی افسر کے بیان کو جواز بنایا گیا تھا اس نے جھوٹ بولا تھا۔ مغرب اپنے جھوٹ پر عراقیوں سے معافی مانگنے اور اس کا مداوا کرنے کی بجائے سر و پا جھوٹ بولے جا رہا ہے جس کی کوئی منطق ہے نہ دلیل۔ نیا شوشا شاید چھوڑا گیا ہے کہ داعش نے جولائی 2014ء میں موصل یونیورسٹی کے ایٹمی مواد پر قبضہ کر لیا ہے جس سے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ایٹمی ہتھیار بنائے جا سکتے ہیں۔ ذرا سوچیے جس ایٹمی ہتھیار کو بنانے کے لیے ملکوں کو اداروں، درجنوں اقسام کی جدید مشینز، ماہرین اور لیبارٹریز کی ضرورت پڑتی ہو وہ ایٹمی ہتھیار ایک گروپ جس کے پاس ماہرین ہیں نہ مشینری نہ لیبارٹریز کس طرح بنا سکتا ہے۔ ایٹمی ہتھیار بنانا ایک طویل عمل ہے۔ پاکستان، بھارت اور اسرائیل کو ان کے حصول میں برسوں لگے۔

ترک صدر رجب طیب اردوان نے مشرق وسطیٰ کے موجودہ بحران کا ذمہ دار نئے لارنس آف عربیہ کو قرار دیا ہے۔ پرانا لارنس آف عربیہ کون تھا؟ اس نے کیا سازشیں کی تھیں؟ عرب دنیا میں کیا گل کھلائے تھے؟ یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ وہ عربوں، ترکوں کو لڑوانے، خلافت عثمانہ کو چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم کروانے، خلافت عثمانیہ کے عربستان سے خاتمے کے لیے برطانوی سازشوں اور اپنے ''سازشی عربی کردار'' کا اعتراف خود اپنی کتابوں میں کر چکا ہے اور آج جو کچھ مشرقی وسطیٰ اور مسلم دنیا میں ہو رہا ہے، وہ لارنس آف عربیہ کا عکس اور پرتو نظر آتا ہے۔

لارنس آف عربیہ کے نام سے شہرت پانے والی برطانوی جاسوس کا اصل نام تھامس ایڈورڈ لارنس تھا جو 16 اگست 1888ء کو ایک غیر شادی شدہ جوڑے کے ہاں پیدا ہوا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد لیفٹیننٹ کرنل لارنس کی موت موٹر سائیکل کے حادثے میں ہوئی۔ اس نے جنگ عظیم اول کے دوران خلافت عثمانیہ کے زیر نگیں عرب علاقوں میں برطانیہ کے سازشی منصوبوں کے تحت ترکی کے خلاف عرب بدوؤں کو بغاوت پر اکسایا، بغاوت کو منظم کیا، جدید جنگی طریقوں سے ناوقف بدوؤں کو گوریلا جنگ کی تربیت دی اور عرب شہزادہ بن کر ترکوں کے خلاف گوریلا جنگ کی قیادت کی۔ اس بغاوت اور مسلمانوں کی آپس کی لڑائی کے باعث عرب علاقے خلافت عثمانیہ کے اقتدار سے نکل گئے۔ ترکوں کی یہ شکست دراصل مسلم امہ کی یکجہتی اور اتحاد کی علامت، ''خلافت'' کی شکست تھی۔ اسلامی خلافت کے خاتمے کے لیے اس نے اپنی شعلہ بیانی، اسلام وعرب تاریخ پر دسترس عربی زبان پر عبور بدوؤں کی عربی زبان بولنے کی صلاحیت جنگی اہلیت گفتگو کے فن دوسروں کو متاثر کرنے کی قابلیت سے عربوں میں عرب قومیت کے جذبات اور قوم پرستی کے نظریے کو بھڑکایا۔ عرب قبائل سردار اس کو عرب شہزادہ سمجھتے تھے وہ اپنے رنگ وروپ کے باعث عربوں سے مماثلت رکھتا تھا اور عربی لباس پہن کر مکمل عرب ہو گیا۔ بدوؤں کے ساتھ اونٹ کی دوڑ میں حصہ لیتا اسی باعث اسے ''لارنس آف عربیہ'' کہا جاتا ہے۔

1916ء میں ترک کرنل خلیل پاشا نے دجلہ کے کنارے برطانیہ کی دس ہزار فوج کو شرم ناک شکست دی تو انگریزوں کو احساس ہو گیا کہ وہ ترکوں کو میدان جنگ میں شکست نہیں دے سکتے۔ لارڈ کرزن نے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کے مشن پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ لارنس آف عربیہ نے عربی لباس اور بدوی طرز زندگی اختیار کر کے بصرہ کے ہوٹل میں جاسوسی کا نیٹ ورک قائم کر لیا۔ کچھ عرب نوجوان اس کے فریب میں آ گئے۔ ایک امریکی یہودی لڑکی بھی اس کے نیٹ ورک کا حصہ تھی۔ اس نے عرب نوجوانوں کو اپنے دام حسن میں پھنسا کر بغاوت کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ لارنس نے عرب نوجوانوں کو جمع کرنے انہیں بغاوت کے لیے منظم و جنگجو بنانے کے لیے اسلام کا سہارا لیا۔ مسجد کے ذریعے اپنا اثر و رسوخ بڑھایا اور عربی لباس اور عربی زبان کے ذریعے عرب صحرا نشینوں میں گھل مل گیا۔ ہر ماہ عرب بدوؤں میں دو لاکھ پاؤنڈز تقسیم کر کے انہیں اپنا ساتھی و ہم نوا بنا لیا اور باقاعدہ لڑاکا گروپ تیار کر لیے جو اس کی سربراہی میں ترکوں پر گوریلا حملے کرتے۔ اس نے پانی کی طرح پیسا بہا کر عربوں کو اپنا مداح بنا لیا اور وہ اسے اپنا محسن و مربی سمجھنے لگے۔ اس نے آہستہ آہستہ گورنر مکہ، حسین ہاشمی تک رسائی حاصل کر لی لارنس نے اس کے بیٹوں عبداللہ، علی، فیصل اور زید پر توجہ مرکوز کر دی۔ پاسبان حرم کو عرب کی بادشاہت کا خواب دکھا کر اپنا ہم نوا بنایا اور ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ اس کی پرفریب باتوں میں آ کر شریف مکہ کے بیٹوں نے اپنے گھر کی کھڑکی سے ترکوں پر گولیاں برسانا شروع کر دیں اور وہ ترکوں کے خلاف بغاوت کروانے میں کامیاب ہو گیا۔ بعد ازاں، برطانیہ اور فرانس نے مشرق وسطی کے ٹکڑے کر کے انہیں اپنے زیر اثر کر لیا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد عربوں کو اس غیر ملکی حاکمیت سے نجات ملی مگر عالم عرب کئی ممالک میں تقسیم ہو چکا تھا آج نئے لارنس آف عربیہ مشرق وسطی کی نئی حد بندی کے ایک سو سال بعد پرانی مغربی سازش پر عمل درآمد کے لیے عالم عرب میں دہشت گردی، فرقہ پرستی، جنگجوئیت، انتشار اور بدامنی کی آگ لگائے ہوئے ہیں۔ کرنل لارنس کی طرح نئے لارنس آف عربیہ نے بھی عرب نوجوانوں میں جذبات بھڑکا

کرانہیں اپنا ہم نوا اور ساتھی بنالیا ہے جو جنگ اور دہشت گردی کا ایندھن بن رہے ہیں۔

☆☆☆

امریکہ اور اس کے اتحادی ایک مرتبہ پھر مشرق وسطیٰ میں پوری طرح جنگ میں ملوث ہو چکے ہیں اس مرتبہ وہ عراق یا شام کی نہیں بلکہ مشرقی وسطیٰ میں ایک فیصلہ کن جنگ لڑ رہے ہیں یہ جنگ دولت اسلامیہ (داعش) نامی عسکری تنظیم کے خلاف ہے جسے تمام مغربی حکمران اور ذرائع ابلاغ متفقہ طور پر القاعدہ سے بھی بڑا خطرہ دے رہے ہیں۔ امریکہ بحیرہ روم اور بحیرہ عرب میں موجود اپنے طیارہ بردار بحری بیڑوں سے اڑنے والے جہازوں سے مسلسل دولت اسلامیہ کے ٹھکانوں پر بمباری کر رہا ہے۔ پینٹا گون کے بقول اسے کامیابیاں بھی مل رہی ہیں اور دولت اسلامیہ کے جنگجوؤں کی پیش قدمی رک چکی ہے۔ اس جنگ میں امریکہ کے تمام مغربی حلیف برطانیہ، فرانس، جرمنی سمیت یورپی یونین کے دیگر ممالک آسٹریلیا، کینیڈا اور جاپان بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں اور عرب لیگ کے تمام اہم ممالک بھی امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں جو نہ صرف فضائی جنگ میں حصہ لے رہے ہیں بلکہ اپنے فوجی اڈے بھی فراہم کر رہے ہیں ان ممالک میں سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارات، بحرین، اردن اور قطر سمیت دیگر عرب ممالک شامل ہیں۔ ان فوجی اڈوں سے دولت اسلامیہ کے خلاف باقاعدہ کارروائیاں بھی جاری ہیں۔

ترکی نے اس جنگ میں امریکہ کی حمایت کا فیصلہ ضرور کیا ہے تاہم وہ زمین یا فضا سے خود دولت اسلامیہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اب شنید ہے کہ وہ بھی نومبر سے اس لڑائی کا باقاعدہ حصہ بن چکا ہے جبکہ ایران اور روس در پردہ امریکہ کی حمایت کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ مسلمانوں کے قتل عام پر مغربی ممالک بشار الاسد حکومت کے خلاف کارروائی پر آمادہ ہونے لگتے تو روس سلامتی کونسل میں اسے ویٹو کر دیتا جس کے نتیجے میں تا حال شام میں خانہ جنگی ختم نہیں ہو سکی جبکہ اس مرتبہ تو امریکہ نے اقوام متحدہ سے اجازت لینے کا تکلف بھی گوارا نہیں کیا مگر روس اور چین نے ہونٹ سی لیے ہیں۔ امت مسلمہ کا حال

یہ ہے کہ غزہ پر اسرائیلی حملوں کے خلاف جس میں تقریباً دو ہزار افراد جاں بحق ہوئے تو پوری دنیا سر پر اٹھالی لیکن آج ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ جنگ کسی مسلم ملک کی بجائے کسی غیر مسلم ملک میں لڑی جارہی ہے (شاید مسلم دنیا کو اس صورت حال پر بہت ہی کم معلومات ہیں) اب اس تجاہل عارفانہ پر کیا کہیے!

اس کارروائی کے حوالے سے امریکہ نے اقوام متحدہ کو قائل کیا ہے کہ وہ یو این چارٹر کے آرٹیکل 51 کے تحت فوجی کارروائی کر رہا ہے جس کے لیے عراق نے اس سے درخواست کی ہے۔ اقوام متحدہ سمیت ساری دنیا بظاہر اس کارروائی کی حمایت کر رہی ہے۔ خیال رہے کہ مذکورہ آرٹیکل اجتماعی دفاع سے متعلق ہے اور اس کے تحت فوجی کارروائی کے لیے سلامتی کونسل کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پہلی عراق جنگ سے لیکر اب تک امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے اس خطے میں چوتھی مرتبہ فوجی پیش قدمی کی ہے اور اس کا بنیادی مقصد دولت اسلامیہ کا خاتمہ کر کے دنیا کو ہمیشہ کے لیے دہشت گردی سے نجات دلانا ہے۔ اسی سوچ کے تحت پہلی عراق جنگ لڑی گئی۔ دوسری عراقِ جنگ میں صدام حسین کی حکومت اور خود ان کو ختم کیا گیا اور تیسری مرتبہ میں لیبیا میں صدر معمر قذافی کو انجام تک پہنچایا۔ اگر فوجی کارروائی نہیں کی گئی تو صرف اس ملک میں جہاں گزشتہ تین برسوں میں 2 لاکھ کے قریب مسلمان ہلاک ہوئے اور کم و بیش ایک کروڑ مہاجر بن کر سرحدوں پر بھیک مانگتے پھر رہے ہیں۔ یہ ملک شام ہے جہاں صدر بشار الاسد اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیے اپنے مسلمان شہریوں کا خون بہانے میں مصروف ہیں اور مغربی فوجی ماہرین اسے مشرق وسطیٰ کی موجودہ غیر مستحکم صورت حال کی جڑ قرار دے چکے ہیں۔ یہ بھی شاید امریکہ اور نیٹو کے فوجی ماہرین کے لیے لمحہ فکریہ ہو کہ خطے کے جن ممالک کی فوج کو انہوں نے تربیت اور ہتھیار دیئے، وہی میدان کارزار میں شکست کھا کر مدد کی دہائی دیتے پھر رہے ہیں اور انہیں بچانے کے لیے خود نیٹو کو میدان میں کودنا پڑا۔

عراقی فوج کو داعش کے ساتھ پہلے ٹکراؤ ہی میں شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی

طرح کردوں کو 1992ء سے امریکہ اور یورپ کی غیر معمولی حمایت حاصل ہے اور کہا جا رہا تھا کہ اس کی فوج پیش مرگہ خطے کی ایک بڑی قوت ہے لیکن یہ بھی محض خواب ثابت ہوا۔ آج کردوں کی جو حالت ہے اور جس طرح امریکہ اور یورپی ممالک ترکی سے فوجی طاقت کے استعمال کی درخواستیں کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہر قسم کا دباؤ بھی ڈال رہے ہیں۔ یہ صورت حال دنیا کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔

دولت اسلامیہ نے اپنی پیش قدمی کا آغاز رواں برس 5 جون کو عراق کے اہم ترین صوبے موصل پر حملے کی صورت میں کیا تھا اور اب وہ عراق کی سرحدوں سے نکل کر شام کے بعض علاقوں پر بھی قابض ہو چکی ہے اور ترکی کی سرحد پر واقع شامی شہر کوبانے پر اس کا جزوی قبضہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب عراق اور شام کی سرحد بے معنی ہو چکی ہے۔ اس ساری صورت حال میں مغرب کے لیے ایک اور پریشان کن پہلو یہ ہے کہ مغربی ممالک سے مسلمان باشندے اس تنظیم میں شامل ہو کر عراق اور شام کی حکومتوں کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ دولت اسلامیہ میں نہ صرف امریکہ اور برطانیہ بلکہ آسٹریلیا اور کینیڈا تک کے مسلمان نوجوان شامل ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ امریکہ سے لڑنے آئے ہیں یا نیٹو سے برسرپیکار ہونا چاہتے ہیں؟ شام اور عراق دونوں ممالک میں مسلم حکومتیں قائم ہیں لیکن دونوں ممالک کے عوام اپنی حکومتوں کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں مگر گزشتہ تین چار برس سے امریکہ سمیت دیگر طاقتور ممالک ان کی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ اس دوران مذاکرات کے کئی مراحل ہوئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اور اقوام متحدہ بھی بے بس ہے۔ ایسے حالات انتہا پسند عسکریت پسندوں کے لیے انتہائی سازگار ہیں کہ وہ ان ممالک میں مداخلت کر کے اپنا تسلط جمائیں۔

ان ملیشیاز پر کسی کا اختیار نہیں بلکہ ان میں سے کئی ایک ڈکٹیٹرز کی پیدا کردہ ہیں۔ یہ جنگجو بوتل کے جن ہیں جو باہر نکل کر ہر شے ملیامیٹ کر رہے ہیں۔ جب شام اور عراق میں فرقہ وارانہ جراثیم پل بڑھ رہے تھے اگر اس وقت بڑی طاقتوں نے اس جانب تھوڑی توجہ دی

ہوتی تو آج پورا خطہ اس اذیت میں مبتلا نہ ہوتا اور نہ ہی اپنی حکومتوں سے مایوس عراق اور شام کے شہری داعش اور اس جیسی دیگر عسکریت پسند تنظیموں کا حصہ بنتے۔ اب ذرا میدان جنگ کی صورت حال پر نظر ڈال لی جائے۔ ایک اندازے کے مطابق داعش کے پاس تقریباً 50 ہزار لڑاکے ہیں جبکہ امریکہ اور اس کے اتحادی لاکھوں جوانوں، جدید ترین ہتھیاروں اور نہ ختم ہونے والے سرمائے سے مالا مال ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دولت اسلامیہ فتوحات حاصل کرتے کرتے عراق سے ترکی کی سرحد پر پہنچ گئی۔

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ امریکہ اور یورپی طاقتوں کی بنیادی فوجی حکمت عملی یہ ہوتی ہے کہ چیونٹی کو بھی ہاتھی بنا کر پیش کیا جائے۔ شاید وہ یہ تاثر نہیں دینا چاہتے کہ وہ کسی کمزور دشمن سے مقابلہ کر رہے ہیں اور اس میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے ایسے دو چار واقعات بھر کر ہوا دیتے ہیں کہ ان کا حریف پوری دنیا کے لیے اہمیت اختیار کر جائے۔ دوسری جانب خوش فہمی میں مبتلا ان کا حریف اور اس کے ہمدرد بھی کئی ایسی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں جو انہیں بالآخر شکست سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ یہ حکمت عملی پہلی اور دوسری عراق جنگ، افغانستان اور لیبیا میں اپنائی جا چکی ہیں۔ خیال رہے کہ دوسری عراق جنگ (ام المارک) میں اتحادی فوج نے صرف چھ ہفتوں کے دوران صدام کے 375,000 فوجی اہلکاروں کو شکست سے دو چار کر دیا۔ افغانستان میں افغانوں کے بہادری کے افسانوں کے باوجود جب آخری معرکہ ہوا تو ملا عمر اور القاعدہ کے جنگجو راتوں رات کابل سے فرار ہو کر پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ عرب، اسرائیل جنگوں کے دوران اسرائیل نے بھی یہ ہی حکمت عملی اپنائی یعنی کمزور حریف کو زبردستی لڑنے پر مجبور کیا جائے اور وہ لڑتے لڑتے اس قدر کمزور ہو جائے کہ دوبارہ متحد نہ ہو سکے۔ بظاہر امریکی قیادت میں لڑی جانے والی اس جنگ کا مقصد دولت اسلامیہ کو عراق اور شام میں شکست دینا یا تباہ کرنا لگتا ہے لیکن درحقیقت یہ امریکہ کے اس دعوے کی آزمائش ہے کہ وہ دنیا کو محفوظ بنانے کے وعدے پر کس حد تک عمل پیرا ہونے کی ہمت رکھتا ہے۔

اس حوالے سے امریکی صدر باراک اوباما ابھی تک تسلی بخش کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکے۔ خیال رہے کہ اس وقت 6 ممالک شام، عراق، افغانستان، پاکستان، یمن اور صومالیہ میں امریکی افواج برسرپیکار ہیں۔ امریکہ کی قیادت میں جنگ میں مصروف اتحادی افواج کے پاس جدید ترین ہتھیار موجود ہیں جسے وہ ضرورت پڑنے پر کہیں بھی پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اتحادی افواج کے طیارہ بردار بحری بیڑے مختلف سمندروں اور فضائی و فوجی اڈے عرب ممالک اور ترکی میں موجود ہیں جنہیں حملوں اور جنگی ساز وسامان کی رسد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ امریکہ کا پانچواں اور چھٹا بحری بیڑا بالترتیب بحر ہند اور بحر روم میں موجود رہتا ہے تاکہ بحری راستوں کی نگرانی کر سکے جبکہ امریکہ طیارہ بردار جہاز عراق و شام کے دونوں اطراف موجود ہیں۔ ان پر موجود جو طیارے داعش کے ٹھکانوں پر بمباری کر رہے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

ایف-22 ریپٹر: یہ عمودی پرواز کرنے والا لڑاکا طیارہ ہے جو فضا سے زمین پر مار کرنے والے میزائل اور گائیڈڈ بم برساتا ہے۔ اسٹیلتھ ٹیکنالوجی کا حامل یہ جہاز ریڈار کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ ایف-22 پہلی مرتبہ شام میں دولت اسلامیہ کے ٹھکانوں پر بمباری کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ ایف-18 ہارنٹ لڑاکا طیارے یہ طیارے جاسوسی کے کام بھی آتے ہیں۔ ایف-15 ایگل طیارے بھی بڑے تعداد میں استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ قطر کے ہوائی اڈے پر موجود ہیں۔ BIB لانسر، جو اسٹریٹیجک بمبار طیارہ ہے اور طویل فاصلے پر حملہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ بھی شام میں دولت اسلامیہ کے خلاف بمباری کر رہا ہے۔ فرانس فضائی بمباری میں شامل ہونے والا امریکہ کے بعد دوسرا ملک ہے یہ ڈیسالٹ ریفیل طیارے استعمال کر رہا ہے جو ابوظہبی کے ایئربیس پر موجود ہیں۔ ان طیاروں سے فضا سے زمین پر میزائل داغے جاتے ہیں انہیں شمالی عراق میں داعش کی تیل کی تنصیبات پر حملوں کے لیے استعمال کیا گیا۔ ایف-16 فیلکن فائٹر بمبار طیارے، اردن، بحرین اور متحدہ عرب امارات میں موجود اڈوں سے حملہ آور ہو رہے ہیں۔ ٹام ہاک کروز میزائل جو

بنیادی طور پر بحری جہازوں سے فائر کیے جاتے ہیں یہ نیوکلیئر میزائل لے جانے کے لیے تیار کیے گئے ہیں لیکن دونوں عراق جنگوں اور بوسنیا میں دشمن کے خلاف روایتی ہتھیاروں کو ہدف تک لے جانے میں کامیاب رہے۔ امریکہ نے 23 ستمبر کو جب دولت اسلامیہ پر پہلا حملہ کیا تو اس کے ٹھکانے تباہ کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر یہ طیارے استعمال کیے۔ برطانیہ جو نسبتاً تاخیر سے اس جنگ میں شامل ہوا اپنے مشہور ٹورنیڈو بمبار طیارے استعمال کر رہا ہے۔ یہ طیارے نو فلائی زون کے نفاذ میں کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ برطانیہ کے جاسوس طیارے بھی عراق اور شام کی فضاؤں کی نگرانی کر رہے ہیں۔

اس کے مقابلے میں داعش کے پاس ایک تو وہ ہتھیار ہیں، جو مختلف ذرائع سے خریدے گئے اور اس خریداری کو فروغ اس وقت ملا جب اس نے عراق کے گرد علاقے میں تیل کی تنصیبات پر قبضہ کر کے تیل فروخت کرنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ موصل سمیت دوسرے شہروں سے عراقی فوج کی پسپائی کے نتیجے میں حاصل ہونے والا وہ جدید اسلحہ ہے جو انہیں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے عراق سے انخلا کے وقت دیا تھا اور وہ فرار ہوتے وقت چھوڑ گئی تھی۔ دولت اسلامیہ کے پاس کوئی فضائیہ یا طیارہ شکن ہتھیار نہیں ہے۔ یہ تنظیم صرف گوریلا جنگ کی اہلیت رکھتی ہے۔ بظاہر دولت اسلامیہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ اپنی دہشت قائم کرنا ہے لیکن ایک بات واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی بڑی سنجیدگی اور باقاعدہ حکمت عملی کے تحت داعش کے خلاف یہ جنگ لڑ رہے ہیں جس میں وہ ہر قسم کا فوجی ہتھیار بروئے کار لا رہے ہیں۔

جنگ کے آغاز کے بعد ذرا خطے کی بدلتی ہوئی سیاسی صورت حال کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔ عرب لیگ میں شامل تقریباً تمام ممالک اتحادیوں کے ساتھ ہیں اور ان حملوں میں شریک ہیں۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فی الحال فضا سے حملے کیے جا رہے ہیں۔ خطے میں سب سے زیادہ طاقتور اور جدید فضائیہ سعودی عرب کی ہے۔ سرمایہ بھی اس کے پاس سب

سے زیادہ ہے اور مسلم دنیا میں اس کا نمایاں مقام بھی ہے۔ اس لیے خطے میں پہلے کے مقابلے میں اتحادیوں کو بہت کم مخالفت کا سامنا ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ مغربی ممالک میں رائے عامہ بڑی تیزی سے تبدیل ہوئی ہے۔ مغربی عوام جنہیں صرف چند ماہ قبل جنگ سے بیزار کہا جا رہا تھا اب انہیں اپنی حکومتوں کی طرح اس بات پر یقین ہو چکا ہے کہ دولت اسلامیہ نہ صرف ان کے لیے بلکہ عالمی امن کے لیے بھی خطرہ ہے اور اسے ہر حالت میں ختم کیا جانا چاہیے۔ دو امریکی صحافیوں اور ایک برطانوی سوشل ورکر کے بہیمانہ قتل کی ویڈیوز نے اس حوالے سے بڑا کردار ادا کیا اور سوشل میڈیا پر طوفان کھڑا کرنے میں اہم ثابت ہوئیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ داعش کے پاس اپنی ساکھ بہتر بنانے کا کوئی پروگرام یا طریقہ کار نہیں۔ وہ ایک مار دھاڑ والی ملیشیا بن چکی ہے۔ البتہ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا دولت اسلامیہ اپنی اس شناخت یا مقام سے مطمئن ہے یا نہیں۔ امریکی کانگریس جس سے گزشتہ برس ستمبر، اکتوبر میں شام کے حق میں ووٹ لینا ممکن نہ تھا، صدر اوباما کے فوجی اقدامات کی مکمل حمایت کر رہی ہیں۔ برطانوی حکومت بھی اسکاٹ لینڈ کے ریفرنڈم کے بعد پر اعتماد انداز میں کارروائی میں حصہ لے رہی ہے جبکہ یورپی ممالک بھی اس ضمن میں آگے آگے ہیں۔ البتہ ایران عجب مخمصے کا شکار ہے وہ عراق میں مالکی کی حکومت کی تبدیلی میں امریکہ "شیطان" کے ساتھ رہا ہے۔ تہران نے عراق میں اتحادی افواج کی کارروائی کی حمایت کی لیکن شام میں اپنے حلیف بشارالاسد کے مستقبل کے بارے میں خاصا فکر مند ہے۔ ایران نہیں چاہتا کہ شام میں بمباری کے ذریعے امریکہ اور مغربی ممالک کے قدم جمیں جو بشارالاسد کو اقتدار سے ہٹانے پر مصر ہیں۔ ترکی جو درحقیقت شام کے معاملے میں کلیدی کردار کا حامل ہے حکمت عملی کے تحت مغربی طاقتوں بالخصوص امریکہ سے اپنے دشمن بشارالاسد کی حکومت کے خلاف شرطیں منوانے پر تلا ہوا ہے۔ امریکہ کردوں کی حمایت کا سہارا لے کر اس پر زمینی فوج استعمال کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہا ہے لیکن اردن حکومت کا اصرار ہے کہ پہلے نوفلائی زون قائم کیا جائے اور سب مل کر فوجی کارروائی کریں۔ ترکی کی

سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس مسئلے کی جڑ بشار حکومت کو ہٹا کر شام میں منتخب حکومت قائم کی جائے تا کہ خطے میں استحکام واپس آ سکے اور اس کا دیر پا حل نکلے۔ اکثر فوجی مبصرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی بھی مسئلے کا مکمل حل جنگ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہر مسئلے کا حل جنگ ہوتا تو آج جرمنی اور جاپان امریکہ کے سب سے بڑے حلیف نہ ہوتے۔ خیال رہے کہ دونوں کو دوسری جنگ عظیم میں امریکہ اور اتحادیوں کے ہاتھوں بدترین ہزیمت اٹھانی پڑی۔ جنگ کے فوراً بعد انہیں دوست اور دست راست بنانے کی حکمت عملی اپنائی گئی۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے یہ کوئی نئی پالیسی نہیں۔ یہ ہی منصوبہ بندی ویت نام اور مصر میں بھی دہرائی گئی اور اس وقت داعش کے خلاف جو کارروائی کی جارہی ہے اس میں بھی سب کو ساتھ لے کر چلنے کی حکمت عملی پر کارفرما ہے۔

☆☆☆

برطانوی تجزیہ نگار الیسٹر کوکس Alistair Cooks کا کہنا بالکل غلط ہے کہ "داعش کے بڑھتے ہوئے خطرے سے نمٹنے کے حوالے سے مغربی ممالک بے بس ہیں۔ ان کے لیے یہی بہتر ہے کہ بیٹھ کر تماشا دیکھیں" جبکہ یہ اہل مغرب ہی کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ داعش کے روز بروز بڑھتے ہوئے خطرے کا سدباب کرنے کی تدابیر اور مناسب حکمت عملی وضع کریں کیونکہ مغرب ہی اس خطرے کو ابھارنے کا اہم سبب ہے۔ نوم چومسکی کا کہنا بالکل بجا ہے کہ:

"داعش کے ابھرنے اور انتہا پسند جہادیوں کے پھیلنے کا سبب، مسلم معاشروں کے خلاف واشنگٹن کی جابرانہ پالیسیوں کا قدرتی ردعمل ہے۔ یہ صورت حال امریکہ کے لیے تباہ کن اثرات کی حامل ہے جو اس کے جارحانہ عزائم کا قدرتی نتیجہ ہے"۔

"امریکہ اور برطانیہ کی جارحیتوں کے خطرناک نتائج میں سے ایک بات مختلف مسالک کے مابین تصادم کو بھڑکانا تھا جس کے سبب عراق اور شام میں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اور یہ تصادم پھیل کر پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے جس کے بہت خطرناک اور

افسوسناک نتائج برآمد ہوں گے"۔

افغانستان، عراق، لبنان اور غزہ کے نہتے عوام پر کیے جانے والے انسانیت سوز مظالم سے جو نفرت اور بددلی پھیلی ہے اس کا انتقام لینے کے لیے طالبان، داعش اور حماس جیسی تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ عالمی حقوق کی علمبردار تنظیمیں، حتیٰ کہ سکیورٹی کونسل جیسا ادارہ بھی مسلم معاشروں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں لہٰذا اہل مغرب اب آرام سے بیٹھ کر اس صورت حال کا تماشا نہیں دیکھ سکتے بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ عسکری دہشت گردی کے بجائے ان کے زخموں پر مرہم رکھ کر کوئی قابل عمل حل تلاش کریں تاکہ پوری دنیا کو تباہی و بربادی اور موجودہ غیر یقینی صورتحال سے نجات دلائی جاسکے۔

داعش بنیادی طور پر تین اہم عناصر پر مشتمل ہیں۔ عراقی، شامی اور سعودی۔ عراقی گروپ میں زیادہ تر سابق صدر صدام حسین کے برطرف شدہ فوجی اور ان کے ساتھ عراق کے سنی مسلمان ہیں جو تربیت یافتہ ہیں اور عراقی فوج سے چھینے گئے اسلحے کو استعمال کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور تینوں گروپوں میں سب سے زیادہ طاقتور تصور کیے جاتے ہیں۔ ان کے کمانڈر عزت ابراہیم ہیں جبکہ ان کا ہدف عراقی حکومت ہے۔ نظریاتی طور پر یہ گروپ سلفی مکتبہ فکر سے زیادہ قریب ہے ان کی تعداد کا تخمینہ پچاس سے ساٹھ ہزار ہے۔ شامی گروپ میں زیادہ تر شامی حزب اختلاف کی فوج اور روشن خیال حکومت مخالفین شامل ہیں جنہیں امریکہ اور خطے کے سنی ممالک نے شام کی حکومت کے خلاف تربیت دی لیکن اب داعش میں شامل ہونے کے باعث یہ گروپ بذات خود ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ ان کا بنیادی ہدف شام کی حکومت ہے۔ نظریاتی لحاظ سے یہ گروپ بھی سلفی مکتبہ فکر سے زیادہ قریب ہے جن کی تعداد تیس سے چالیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ سعودی گروپ میں "حکومت مخالفین وہابی" شامل ہیں۔ یہ گروپ سعودی حکومت کے خلاف اس لیے ہے کہ ان کے بقول سعودی حکومت ترقی پسند اور یورپین طرز زندگی اپنا چکی ہے، جس کے سبب وہ وہابی نظریات اور طرز

زندگی سے دور جا چکے ہیں اور ان کے برسر اقتدار رہنے کا حق باقی نہیں رہا۔ الیسٹر کوکس کے بقول "باغی وہابی گروپ کی صلاحیت سعودی عرب کو پامال کر سکتی ہے"۔ سعودی حکومت کے مخالفین جوق در جوق اس گروپ میں شامل ہو رہے ہیں جس کی کمان خوگی کے ہاتھوں میں ہے۔ اس گروپ کی تعداد آٹھ سے دس ہزار تک ہے۔

ابوبکر البغدادی جو خلیفہ ہونے کے داعی ہیں ان کے زیر کمان قائم ہونے والے اتحاد میں یہ تین عناصر شامل ہیں۔ اس گروپ کا بنیادی مقصد ان علاقوں میں اسلامی مملکت قائم کرنا ہے جو کبھی سلطنت عثمانیہ میں شامل تھے لیکن 1920ء میں مختلف ممالک میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق داعش کا اہم اثاثہ وہ جاثار جہادی ہیں جو دنیا کے 80 ممالک سے آکر تنظیم میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں۔ داعش بنیادی طور پر صرف تین حکومتوں کے لیے خطرے کا باعث ہے جبکہ دیگر اسلامی ممالک کو ان سے خطرات کم ہیں۔ ان خطرناک تبدیلیوں کے سبب امکان ہے کہ:

"خلیجی ممالک اب کبھی بھی پہلے جیسے نہیں رہیں گے اور مشرق وسطیٰ کی شناخت بھی ختم ہو جائے گی اور تاریخی طور پر سنی مسلمانوں کی میراث تصور کیے جانے والے علاقوں میں نئی اسلامی مملکت کے قیام سے یہ علاقے سلفی نظریات کا مرکز بن جائیں گے"۔

اسلامی مملکت کے خطے سے باہر داعش کا خطرہ دو صورتوں میں ظاہر ہو سکتا ہے جن میں سے ایک افغان جہاد کے بعد وجود میں آیا تھا جیسا کہ اس رپورٹ کے مطابق "افغانستان میں دنیا بھر کے ستر ممالک سے آئے ہوئے ساٹھ ہزار جہادی اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے، سوائے ان کے جنہیں خطرناک قرار دے کر اپنے گھروں کو جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور وہ القاعدہ و دیگر تنظیموں میں شامل ہو کر دنیا کے کسی ملک کے شہری نہ رہے"۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آج بھی افغانستان، پاکستان، شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں جہاد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ داعش بھی اس سے ملتی جلتی صورت حال کی حامل ہے جس میں یورپ اور امریکہ کے علاوہ دیگر ممالک سے آئے ہوئے جہادی جلد یا بدیر اپنے گھروں کو لوٹ

جائیں گے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے گھروں کو لوٹنے والے ان جہادیوں کے خلاف کوئی پابندی نہ لگائی جائے کیونکہ اس طرح کی پابندی انہیں پھر سے دہشت گردی کے کیمپوں کی جانب دھکیلنے کا باعث بنے گی۔اپنے گھروں میں رہیں گے تو ان پر نگاہ رکھنا آسان ہوگا۔

نظریاتی طور پر مسلم ممالک کو بہت کم خطرہ درپیش ہوگا کیونکہ افغانستان اور پاکستان جیسے ممالک جہاں دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث شیعہ سمیت کئی مسالک کے ماننے والے ہیں اور نظریاتی طور پر داعش نظریات کے مخالف ہیں۔بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ دنیا داعش سے نمٹنے کی موثر تدابیر وضع کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔فضائی حملوں اور کردوں کی مدد سے انہیں شکست دینا غیر موثر اقدامات ہیں جو غلط نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں۔مناسب یہ ہوگا کہ ''مسئلے کی اصل بنیاد'' کو سمجھا جائے جو بنیادی فتنہ ہے یعنی مغربی دنیا پچھلی تین دہائیوں سے دنیائے اسلام کے خلاف ''سیاسی و نظریاتی کروسیڈ'' جاری رکھے ہوئے ہے جس کے خلاف اسلامی دنیا کا شدید ردعمل خطرناک صورت حال اختیار کر چکا ہے۔مغرب کو یہ حقیقت قبول کر کے ماضی میں کی جانے والی غلطیوں کا ازالہ کرنا ہوگا اور سیاسی و نظریاتی صلیبی جنگ کا خیال ترک کرنا ہوگا جس کے ذریعے وہ مسلمان معاشروں کو ترقی پسند، سیکولر اور روشن خیالی میں تبدیل کرنے کے درپے ہے۔اس مرحلے پر امریکہ اور یورپ کو مسلم معاشروں میں بے جا مداخلت سے باز رہنا چاہیے اور یہ جان لینا چاہیے کہ مسلم معاشرہ آج بھی اپنی قبائلی روایات سے جڑا ہے۔وہ مغربی فلسفہ زندگی کو ان کی خواہشات کے مطابق نہیں اپنا سکتا جس کی سب سے بڑی مثال افغانستان ہے۔

''افغانستان کی قومی فوج جنگ سے بھاگ رہی ہے اور رات کے وقت لڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ سپاہی لڑنا نہیں چاہتے اور درختوں اور چٹانوں کے پیچھے پناہ لینے کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔مجھے یقین ہے کہ جب امریکی فوجیں افغانستان سے نکلیں گی تو افغانستان کی قومی فوج سوکھے ہوئے پتوں کی طرح ہوا میں بکھر کر رہ جائے گی۔افغانستان

کی قومی فوج کی جنگی صلاحیت کے بارے کسی دھوکے میں نہ رہا جائے کیونکہ وہ زیرو ہے"۔
(میجر جنرل رابرٹ سیلز، گرین بیرٹ امریکہ، بحوالہ واشنگٹن ٹائمز، 26 اکتوبر 2014ء)

لازم ہے کہ مغربی دنیا مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے کیونکہ گزشتہ چودہ سو برسوں کے دوران مسلم معاشرے کے تمام مکاتب فکر نے ایک ساتھ رہنا سیکھ لیا ہے۔ پاکستان ایک ترقی پسند اور روشن خیال معاشرے کی عمدہ مثال ہے جہاں تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان، خواہ وہ سلفی، وہابی، قادری، نقشبندی، دیو بندی، بریلوی، شیعہ اور سنی ہوں، سب باہمی اتفاق و اتحاد سے رہتے چلے آ رہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے مغربی طاقتوں کے سازشی منصوبے "سیاسی و نظریاتی کروسیڈ" نے پاکستان کے روشن خیال مسلم معاشرے کے چہرے کو داغدار بنا دیا ہے۔ یہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا کا المیہ ہے۔ مغربی دنیا کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی روش بدلے اور مسلم ممالک کو بھی اپنے ہاں جنم لینے والے شدت پسند گروپوں کو سختی سے کچلنا ہوگا کیونکہ یہی وہ "نام نہاد جہادی" ہیں جو بالآخر مسلم دشمن قوتوں کی "طاقت" بن جاتے ہیں وہ انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں اور یہ احمق سمجھتے ہیں کہ وہ جہاد کر رہے ہیں۔

☆☆☆

عالمی امن کے لیے چیلنج

نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر دہشت گردی کا واقعہ رونما ہوا تو اس وقت امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش نے القاعدہ کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے اس کے خلاف پوری دنیا کی حمایت حاصل کی بعد میں اس کے خلاف صدر اوباما نے بھی وہی پالیسی جاری رکھی رواں ماہ 11 ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے حملوں کے مقام گراؤنڈ زیرو پر منعقدہ تقریب سے خطاب میں صدر باراک اوباما نے اب کے بار داعش کو عالمی امن کیلئے سب سے بڑا خطرہ قرار دیتے ہوئے اس کا قلع قمع کرنے کا عزم کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عراق اور شام میں حکومتوں کے خلاف سرگرم عسکریت پسندوں کی تنظیم داعش خطے میں اپنی دہشت پھیلائے ہوئے ہے اس سے پہلے عالمی امن کے لیے القاعدہ کو بھی امریکہ کی طرف سے ہی خطرناک ترین تنظیم قرار دیا گیا تھا اور اس کی سرکوبی کے لیے دنیا کے طول و ارض میں کارروائیاں شروع کر دیں۔ القاعدہ کے اس وقت کے سربراہ اسامہ بن لادن چونکہ عربی نژاد تھے جنہوں نے افغانستان میں روس کے خلاف امریکہ کی جنگ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس جنگ میں دنیا بھر سے جہادیوں کو بھرتی کر کے افغانستان میں لایا گیا جن میں مشرقِ وسطیٰ اور عرب ممالک سے تعلق رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ اس تنظیم کی فنڈنگ بھی زیادہ تر انہی ممالک سے ہو رہی تھی تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اسے امریکی سی آئی اے کی بھی مکمل معاونت

رہی جس نے نہ صرف اس کے کارکنوں کو عسکری تربیت دی بلکہ کھل کر رقم بھی فراہم کی یوں امریکہ سمیت دیگر ممالک ایک عرصہ تک القاعدہ کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتے رہے۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد افغانستان میں جہادیوں کے رہنے کا جواز ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن بدقسمتی سے انتربیت یافتہ جنگجوؤں کو آپس میں ہی لڑنے مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

1990ء میں پہلی خلیج جنگ کے دوران امریکہ عراق پر حملہ کرنے کیلئے آیا تو اسے سعودی عرب سمیت مشرق وسطیٰ کے دوسرے ممالک کی مکمل حمایت حاصل تھی جنہوں نے امریکی فضائیہ کے لیے اڈے فراہم کیے۔ یہاں بھی جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ کے اڈے بدستور قائم رہے تو القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن نے مسلم ممالک کو امریکہ سے پاک کرنے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف کارروائیوں کا اعلان کیا۔ اسی تناظر میں 1998ء جب نیروبی میں امریکی سفارتخانے پر حملہ ہوا تو القاعدہ کو امریکہ کی جانب سے باقاعدہ دہشت گرد تنظیم قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف کارروائی کی منصوبہ بندی کی گئی۔ دوسری جانب القاعدہ نے امریکہ کے خلاف اپنی کارروائیاں جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ اس دوران امریکی خفیہ اداروں نے اطلاعات دیں کہ القاعدہ امریکہ پر بڑے حملے کی منصوبہ سازی کر رہی ہے اس دوران القاعدہ دنیا بھر میں اپنی کارروائیاں کرتی رہی۔ اس تنظیم میں صرف تربیت یافتہ جنگجو ہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے اس کے ایجنڈے سے متفق انتہائی ذہین اور قابل لوگ بھی شامل ہوتے رہے۔

القاعدہ چونکہ کئی ممالک کے باشندوں پر مشتمل تنظیم تھی، دنیا کی بڑی مالدار شخصیات سمیت بڑے کاروباری اداروں پر اس کی مالی معاونت کا الزام لگایا جاتا رہا۔ اس کے حوالے سے یہ بھی کہا جاتا رہا کہ یہ عالمی قوتوں کی جانب سے خود ساختہ ایک تنظیم ہے جسے ان قوتوں نے اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا۔ یہ ایک عرصہ تک دنیا بھر میں دہشت کی علامت سمجھی جاتی رہی ہے تاہم جیسے ہی اس کی قوت میں کمی کی اطلاعات آئیں تو ساتھ ہی دولت

اسلامیہ والعراق والشام (داعش) بھی قدم جماتی نظر آئی جسے آج مستقبل میں عالمی امن کے لیے القاعدہ سے بھی بڑا خطرہ قرار دیا جا رہا ہے۔ القاعدہ جب اپنے قدم جما رہی تھی تو امریکہ دشمنی کو اپنا طرہ امتیاز بنا کر ساری دنیا کے مسلمانوں کی ہمدردیاں بھی سمیٹ رہی تھی۔ بھی سمیٹ رہی تھی تاہم جب ان کی کارروائیاں مسلمان ممالک میں ہی شروع ہوئیں تو مسلم امہ کی رائے تبدیل ہوتی گئی۔ اس دوران القاعدہ سے ہی کئی گروہ الگ ہو کر نئی تنظیمیں بنانے لگے۔

☆☆☆

داعش کے بارے میں بھی یہی خیال ہے کہ یہ بھی القاعدہ سے وابستہ لوگوں کی ہی بنائی گئی ایک تنظیم ہے تاہم اس کا طریقہ کار مختلف رہا ہے۔ اردن سے تعلق رکھنے والے ابومصعب الزرقاوی نے 2002 میں توحید الجہاد کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی۔ امریکہ نے 2003ء میں عراق پر حملہ کیا تو اگلے سال ہی ابومصعب نے اسامہ بن لادن کے ہاتھ بیعت کر لی جس کے ساتھ ہی القاعدہ کی چھتری تلے عراق میں امریکی اور اتحادی افواج کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ عراق میں چونکہ شیعہ اکثریت میں ہیں اور حملے کے بعد وہاں جب حکومت تشکیل پائی تو بھی اس میں سنی نمائندگی کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا جب 2006ء میں ابومصعب جاں بحق ہوئے تو اس کے بعد یہ تنظیم القاعدہ فی العراق کے نام سے کام کرنے لگی جو حکومت مخالف مسلح گروہوں کی نمائندہ تنظیم بن کر سامنے آئی۔ یہ گروہ بنیادی طور پر خاص مسلک کا مخالف تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ عراق میں امریکی تسلط قائم کرنے میں اس مسلک کا گروپوں کا اہم کردار ہے۔ اسی طرح جب القاعدہ آف عراق کے جنگجوؤں نے سامرہ میں مزارات پر حملے کیے تو اسامہ بن لادن اور الظواہری نے ان کے اقدامات کی مخالفت کی اور انہیں اس سے سختی سے منع کر دیا۔ اس دوران ایک جانب امریکہ کی القاعدہ قیادت کے خلاف کارروائیاں شدت اختیار کر چکی تھیں تو ساتھ ہی عراق میں بھی اسی شدومد سے امریکی اور عراق فورسز حکومت مخالف گروہوں کے خلاف حملے جاری

رکھے ہوئے تھے۔ زرقاوی کے قتل کے بعد القاعدہ آف عراق کا نام ختم ہو گیا لیکن اس گروپ کے لوگ وہیں کے وہیں موجود رہے اور ان کی باگ ڈور ابو عمر البغدادی کے ہاتھوں میں آ گئی جو بعد میں عراقی فورسز کے ایک آپریشن میں مارا گیا۔ اسی باعث القاعدہ فی العراق کی کارروائیاں محدود ہو کر رہ گئیں۔ اس کی ایک وجہ وسائل کی کمی کو قرار دیا جاتا ہے کیونکہ ان تنظیموں میں زیادہ تر دیگر ممالک سے جہادیوں کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلحے کی ترسیل اور رقم کی بھی بروقت فراہمی ضروری ہوتی ہے۔ اس دوران عراق ہی کے سنی قبائل پر مشتمل تنظیم سہوا سامنے آئی جس نے غیر ملکی افواج کے خلاف اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔

اس تنظیم کو ایک مرتبہ پھر اس وقت تقویت ملی جب 2010ء میں ابوبکر البغدادی نے اس تنظیم کی باگ ڈور سنبھالی۔ عرب بہار کے اثرات شام میں آئے تو یہاں بھی حکومت مخالف احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس وقت یہاں النصرہ فرنٹ نامی تنظیم کے جنگجوؤں نے اسد حکومت کے خلاف مسلح کارروائیوں کا آغاز کیا۔ القاعدہ فی العراق اور النصرہ فرنٹ دونوں ہی القاعدہ سے وابستہ ہونے کی دعویدار تھیں تاہم ان دونوں کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ القاعدہ کے سربراہ ایمن الظواہری نے ان کے درمیان مفاہمت کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ بعد میں الظواہری کی حمایت جولانی گروپ کے ساتھ رہی۔ یہ وہ دور تھا جب الظواہری نے داعش کو شام سے نکلنے کا کہا لیکن القاعدہ فی العراق نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ واضح رہے کہ جب ابوبکر البغدادی نے اس کی قیادت سنبھالی تو یہ تنظیم دولت اسلامیہ فی العراق یا آئی ایس آئی ایس کے نام سے جانی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس نے اپنی استعداد میں اضافہ بھی جاری رکھا۔

شام میں بشار الاسد کی حکومت کے خلاف عسکریت پسندوں کی مسلح کارروائیوں میں اس تنظیم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ امریکی افواج کے عراق کے انخلاء کے ساتھ ہی اس تنظیم نے عراق میں بھی کارروائیاں تیز کر دیں جبکہ شام میں النصرہ نامی تنظیم قائم کر کے شام میں

بھی کارروائیاں جاری رکھیں۔

اپریل 2013ء میں ابوبکر البغدادی نے عراق اور شام میں اپنی تنظیموں کو یکجا کرنے کا اعلان کیا اور دولت اسلامیہ فی العراق والشام، یا داعش کے نام سے ایک بڑی تنظیم بنالی۔ اس موقع پر النصرہ اور القاعدہ کے رہنماؤں نے البغدادی کی نئی تنظیم کو ماننے سے انکار کردیا لیکن النصرہ کے وہ جنگجو جو البغدادی کے حامی تھے انہوں نے داعش میں شمولیت اختیار کر لی۔ اسی سال کے اختتام تک داعش نے اپنی توجہ ایک مرتبہ پھر عراق پر مرکوز کر لی اور ملک کی شیعہ اکثریتی حکومت اور سنی آبادی کے درمیان موجود سیاسی تناؤ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یہی وہ موقع تھا جب مقامی قبائل کی مدد سے داعش نے عراق کے مرکزی شہر فلوجہ پر قبضہ کر لیا۔ بات یہاں رکی نہیں بلکہ رواں سال کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے جنگجوؤں نے شمالی شہر موصل کو روندتے ہوئے بغداد کی جانب پیش قدمی شروع کردی۔ رواں سال اپریل اور مئی میں اس نے عراق میں وسیع پیمانے پر اپنی کارروائیاں کر کے خود کو خوف اور دہشت کی ایک علامت ثابت کیا اور اگلے ہی ماہ جون میں اس کے سربراہ ابوبکر البغدادی نے خود کو تمام مسلمانوں کا خلفیہ قرار دے کر تنظیم کا نام بھی تبدیل کر کے دولت اسلامیہ رکھ لیا ایک اندازے کے مطابق اس وقت 80 لاکھ افراد ان علاقوں میں پائے جاتے ہیں جو کلی یا جزوی طور پر دولت اسلامیہ کے کنٹرول میں ہیں۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں اس تنظیم نے نہایت سخت گیر شریعت کا اطلاق کر رکھا ہے جہاں عورتوں کو پردہ کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے جبکہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے ورنہ جزیہ دینے کا پابند کیا جارہا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنا سیاسی عدالتی نظام بھی قائم کرلیا ہے جس کے تحت جرائم پیشہ افراد کو سزائیں دی جارہی ہیں جن میں مجرموں کو دُرّے لگانا اور سرعام پھانسی یا گولی ماردینا بھی شامل ہیں۔ دولت اسلامیہ کی زیرقبضہ علاقے کا رقبہ تقریباً 90 ہزار مربع کلومیٹر ہے جو اردن کے کل رقبے کے برابر ہے جبکہ کچھ اطلاعات کے مطابق دولت اسلامیہ کے زیرتسلط علاقے کا رقبہ 40 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ بہرحال عراق کے چار بڑے شہروں موصل، تکریت، فلوجہ اور طل افعار اور

شام میں رقہ کے بڑے علاقے کے علاوہ دیگر اہم شہر اس کی حکومت میں شامل ہیں۔ یہ وہ شہر ہیں جہاں تیل کے بے شمار کنویں، پانی کے ڈیم، مرکزی شاہراہیں اور دیگر اہم تنصیبات شامل تھیں۔

☆☆☆

عروج کیسے ملا؟

یہ تنظیم اس قدر منظم اور طاقتور ہونے میں کس طرح کامیاب ہوسکی؟ تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جس وقت شام میں اس کی کارروائیاں جاری تھیں تو دنیا کے متعدد ممالک کی جانب سے اس کی نہ صرف پشت پناہی کی جارہی تھی بلکہ اسے بھرپور مالی مدد بھی فراہم کی جارہی تھی۔ مشرق وسطی کی سیاست کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو وہاں صدیوں سے شیعہ اور سنّی دو واضح گروہ ہیں۔ خطے کے زیادہ تر ممالک چونکہ سنی ہیں شام میں ایک عرصہ سے شیعہ حکومت قائم ہے جبکہ عراق میں بھی صدام کے خاتمے کے بعد بھی شیعہ حکومت قائم ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ یہاں کی 60 فیصد آبادی کا شیعہ ہونا ہے۔ شام میں حکومت مخالف عسکری کارروائیوں میں نہ صرف علاقے کے سنی جنگجو تھے بلکہ دنیا کے دیگر ممالک سے بھی انہیں جہاد کے نام پر یہاں اکٹھا کیا گیا۔ یہاں آج بھی بظاہر خانہ جنگی قائم ہے لیکن پھر بھی اس حکومت ابھی تک قائم ہے۔ خطے میں سعودی عرب کو سینوں کا نمائندہ ملک قرار دیا جاتا ہے اس وجہ سے اس حکومت پر بھی ان جنگجوؤں کو مدد فراہم کرنے کا الزام سامنے آیا جسے سعودی حکومت کی جانب سے یکسر مسترد کردیا۔ دوسری جانب ایران اگرچہ عرب ممالک کا حصہ نہیں لیکن پھر بھی اس کی عرب ممالک میں کافی سراعیت ہے جس کی وجہ اس کا شیعہ ہونا اور خطے میں شیعہ مفادات کا تحفظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران کی جانب سے

نوری المالکی کی حکومت کی مکمل حمایت کی جاتی رہی جبکہ شام میں جب عسکریت پسند کا آغاز ہوا تو ساتھ ہی شام کو بھی ایران کی جانب سے مدد فراہم کی گئی۔ چند ماہ قبل جب ابوبکر البغدادی نے خلافت کا اعلان کیا تو خطے کے متعدد سنی ممالک کی جانب سے اسے خطرہ قرار دیتے ہوئے اس سے محفوظ رہنے کی تدبیریں اختیار کی جانے لگیں۔ سعودی عرب کی جانب سے عراق کے ساتھ سرحد مکمل بند کر کے اس پر تیس ہزار فوجی تعینات کر دیئے گئے۔ دولت اسلامیہ کے طاقتور ہونے میں ترکی پر بھی الزام عاید کیا جاتا رہا کہ ترکی کی مسلح جنگجوؤں کو شام میں اپنی سرحد سے داخل کرتا رہا۔ یہاں یہ بھی الزام عاید کیا جاتا رہا کہ اس تنظیم کا مواصلاتی ہیڈکوارٹر بھی ترکی میں تھا لیکن جیسے ہی دولت اسلامیہ عراق میں ترک سفارت خانے کے پچاس کے قریب اہلکاروں کو اغواء کیا گیا تو ترکی کی جانب سے اس کے خلاف کارروائی کرنے کا مطالبہ سامنے آنے لگا۔ اس سے قبل نوری المالکی حکومت امریکہ سے اس کے خلاف کارروائی کے لیے درخواست کر چکی تھی جس کے بعد امریکہ کی جانب سے اس کے خلاف ڈرون حملے کرنے کا اعلان سامنے آیا۔ تاہم گزشتہ ماہ سے امریکی فضائیہ اس کے کئی ٹھکانوں پر فضائی بمباری کر چکی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گزشتہ سال جب واضح ہو رہا تھا کہ یہ تنظیم اپنی جڑیں مضبوط کر رہی ہے تو اس کی کارروائیوں کو کیوں محدود نہ رکھا گیا۔ گزشتہ ماہ اس تنظیم کے ہاتھوں جب وہ غیر ملکی صحافیوں کے قتل کا واقعہ سامنے آیا تو دنیا بھر سے اس کے خلاف کارروائی کا مطالبہ سامنے آنے لگا۔

☆☆☆

عالمی اداروں کی جانب سے آغاز میں اس کی تعداد پر بھی بحث ہوتی رہی اور اس پر مختلف اعداد و شمار بیان کیے جاتے رہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس میں 80 ممالک سے زائد کے تربیت یافتہ جنگجو شامل ہیں جب واضح ہو گیا کہ ان کی کارروائیاں ابھی کسی صورت نہیں رک سکتیں تو گزشتہ ہفتے 11 ستمبر کو نائن الیون واقعہ کے 13 سال مکمل ہونے کے حوالے سے منعقدہ تقریب میں خطاب کرتے ہوئے صدر

اوباما نے اس کے خلاف کارروائی کو ناگزیر قرار دیا۔ اس دوران وزیر خارجہ بھی مشرق وسطیٰ کے ممالک کے عہدیداروں سے دولت اسلامیہ کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔ اس دوران فرانس کے صدر فرانسوا اولاند نے بھی دولت اسلامیہ کو عالمی خطرہ قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف بھرپور کارروائی کا مطالبہ کیا۔ اس حوالے سے فرانس میں ہی گزشتہ پیر کو دولت اسلامیہ کے خلاف مشترکہ کوششوں بارے کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں تیس ممالک کے وزرائے خارجہ شریک ہوئے لیکن اس میں خطے کے دو اہم فریقوں شام اور ایران کو دعوت نہ دی گئی۔ کانفرنس میں شریک تمام ممالک نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ دولت اسلامیہ کے خلاف مل کر کارروائی کی جائے گی تاہم اس میں زمینی کارروائی کرنے کے حوالے سے کوئی بات واضح نہیں کی گئی البتہ کانفرنس کے دولت اسلامیہ کے ٹھکانوں پر امریکی فضائیہ کے پے در پے حملوں کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ شام اور ایران کی جانب سے اس کانفرنس کو محض نمائشی قرار دیتے ہوئے اسے سخت تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ شام کے ویزیر خارجہ کا کہنا تھا کہ دولت اسلامیہ کے خالف کسی بھی اتحاد کے موثر ہونے کے لیے اس میں شام کے ساتھ ساتھ روس اور ایران کی شمولیت بھی ضروری ہے۔

صدر اوباما کی جانب سے جہاں اسے عالمی امن کے لیے بڑا خطرہ قرار دیا گیا تو ساتھ ہی انہوں نے چار نکاتی پالیسی بھی دی جس میں فضائی حملے، القاعدہ کے خلاف کاروائیوں میں مصروف زمینی فورسز کی مدد کے علاوہ وسائل مہیا کرنا شامل ہیں۔ جان کیری کا اپنے ایک بیان میں کہنا تھا کہ صدر اوباما کی پالیسی کے ذریعے دولت اسلامیہ کو پیچھے دھکیلنے میں مدد مل سکتی ہے جبکہ یہ سیاسی اور عملی طور پر قابل عمل بھی ہے۔ دوسری جانب ناقدین کا کہنا ہے کہ محض چند فضائی حملوں سے ایسا ممکن نہیں کہ حالات معمول پر آ جائیں اور خطے میں پرانے اختلافات اور دشمنیاں ختم ہو جائیں۔ اب جبکہ دنیا کے بڑے ممالک دولت اسلامیہ کے خلاف اتحاد بنانے جا رہے ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ ان کی یہ کوششیں کس حد تک کارگر ثابت ہو سکتی ہیں یا پھر ان کا اتحاد صرف اپنے مفادات کے حصول تک ہی قائم رہتا ہے۔

یورپ کے گمراہ جہادی

دنیا بھر کے لیے چیلنج نئی داعش اسلامک اسٹیٹ کی جانب سے ''امریکہ کو پیغام'' کے عنوان سے امریکی صحافی جیمز فولی کا سر قلم کرنے کی ویڈیو جاری کی گئی۔ صحافی کو قتل کرنے والا نقاب پوش شخص برطانوی لہجے کی انگریزی میں گفتگو کررہا تھا ویڈیو کے آغاز میں بارک اوباما کی جانب سے اسلامک اسٹیٹ کے خلاف جاری کیے گئے بیانات دکھائے گئے اور مرنے سے پہلے جیمز فولی کو یہ بیان پڑھتے ہوئے دکھایا گیا کہ اس کی موت کا ذمہ دار امریکہ ہے۔ نقاب پوش قاتل انگریز معلوم ہوتا ہے، اس کی مغربی انٹیلی جنس ایجنسیاں اس کی شناخت کے لیے کوشاں ہیں۔

واشنگٹن پوسٹ میں 22 راگست کو شائع ہونے والے مضمون میں اس شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ اسلامک اسٹیٹ کے درالخلافہ رقہ (شام) میں شائم اس قید خانے کا جیلر ہے جس میں غیر ملکی مغویوں کو رکھا جاتا ہے اور قیدیوں میں جان جیلر کے نام سے جانا جاتا ہے۔لندن کے اخبارات میں جہادی جان کے نام سے پکارا جانے والا یہ شخص اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ مطلوب Wanted انسان بن چکا ہے۔ جہادی جان ان پانچ سو برطانوی شہریوں میں شامل ہے جو اسلامک اسٹیٹ کے لیے جہاد کرنے شام یا عراق آئے ہیں اور مقامی جہادی انہیں Beatless 1960ء کی دہائی کا مشہور راک بینڈ کہتے۔

برطانیہ کے علاوہ فرانس، سویڈن اور پورے یورپ سے سینکڑوں جہادی یہاں پہنچے ہیں۔ امریکہ سے آنے والے جہادی اس کے علاوہ ہیں۔

جہادی جان، جو اپنی درندگی کی وجہ سے مقامی جہادیوں میں بھی مشہور ہے، کسی مغربی صحافی کو ذبح یا قتل کرنے والا پہلا یورپی نہیں ہے۔ 2002ء میں وال سٹریٹ جرنل کے صحافی ڈینیئل پرل کے قتل کی ویڈیو نشر کرنے والا 28 سالہ عمر شیخ بھی برطانوی شہری اور نارتھ لندن کا رہائشی تھا۔ سوال یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کے مسلمان شہری، خاص طور پر نوجوان، مذہبی جنون میں کیوں مبتلا ہو رہے ہیں؟ صرف معاشی پسماندگی یا غربت کو اس رجحان کے لیے مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ان یورپی جہادیوں میں کھاتے پیتے گھرانوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان بھی شامل ہیں۔ 2008ء میں گارڈین کے ہاتھ لگنے والی MI-5 برطانیہ کی خفیہ ایجنسی کی رپورٹ میں حیران کن انکشافات کیے گئے ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق ایسے تمام نوجوان "صرف مذہبی عقائد کی وجہ سے دہشت گرد گروہوں کا حصہ نہیں بنتے، ان میں سے سخت گیر عقائد رکھنے والے مسلمان بہت کم ہیں اور ان کا تعلق زیادہ مذہبی گھرانوں سے بھی نہیں ہے۔ جہاد کے لیے جانے والے زیادہ تر نوجوان پکے نمازی تھے نہ ہی ان کا مسجد میں زیادہ آنا جانا تھا بلکہ ان کی اکثریت صرف تھرل یا زندگی کے مقصد کی تلاش میں ان سرگرمیوں میں ملوث ہوئی۔ ان جہادیوں اور دوسری غیر مذہبی انتہا پسند جماعتوں کے کارکنان میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ان کے لیے جہاد مہم جوئی کے ایک ذریعے سے زیادہ کچھ نہیں۔"

اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ دہشت گردی کو کسی مذہب سے منتھی کر دینا سراسر غلط ہے۔ اس مظہر کی معاشی، سماجی اور ثقافتی بنیادوں کو جانچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے سرمایہ دارانہ نظام کے عمومی زوال خصوصاً 2008ء کے معاشی کریش کے بعد سے نہ صرف مغربی سماج میں معاشی محرومی اور مشکلات بڑھی ہیں بلکہ سماجی بیگانگی بھی ناگزیر طور پر شدت اختیار کر گئی ہے۔ مغربی حکمرانوں اور سرمایہ دار تیسری دنیا کے تارکین وطن کو انسانی ہمدردی کے

جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے ممالک میں نہیں بلاتے بلکہ ان مہاجرین کی سستی لیبر کے ذریعے بلند شرح منافع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔تارکین وطن کی کم اجرتوں کے ذریعے مغرب کے مقامی محنت کشوں پر بھی دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ کم مراعات اور اجرت پر کام کریں۔مقابلہ بازی کی اس واردات سے محنت کشوں میں نسل،قوم اور مذہب کی بنیاد پر منافرت پیدا کی جاتی ہے جسے استعمال کرتے ہوئے دائیں بازو کی نیو فاشسٹ قوتیں اپنی سیاست چمکاتی ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے غیر ملکی محنت کشوں کو بیروزگاری اور معاشی بحران کا سبب قرار دے دیا جاتا ہے۔

غربت اور بیروزگاری سے تنگ آ کر ترقی یافتہ مغربی ممالک کی طرف ہجرت کرنے والے نوجوان پیسہ کمانے کی مشین بن کر رہ جاتے ہیں۔غیر ملکی محنت کشوں میں ثقافتی اور سماجی بیگانگی بہت بڑھ جاتی ہے۔اپنے وطن میں دھتکارے ہوئے یہ انسان پردیس میں بھی نفرت اور تعصب کا نشانہ بنتے ہیں۔اس سے تنگ نظری،نفرت اور نفسیاتی پراگندگی کی وہ کیفیت جنم لیتی ہے جو انہیں اقلیتی کمیونٹی کے نوسر باز لیڈروں اور بنیاد پرست مذہبی پیشواؤں کا اندھا پیروکار بنا دیتی ہے۔یہ ملا اور پیر فقیر نہ صرف دہشت گردی اور فرقہ وارانہ مقاصد کے لیے چندہ بٹورتے ہیں بلکہ اپنے مریدوں کی سوچ اور روح کو بھی غریب کر کے رکھ دیتے ہیں۔مذہب کے اس کاروبار کو چمکانے کے لیے نفرت اور جنون کی آگ میں مزید تیل انڈیلا جاتا ہے۔

کسی بھی سماج میں نوجوان نسل کو جب بہتر مستقبل کی کوئی امید نظر نہیں آتی تو وہ ماضی میں پناہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔کسی انقلابی تحریک اور سیاسی متبادل کی عدم موجودگی میں یہ عمل شدت اختیار کر جاتا ہے اور کچھ کر گزرنے کی جستجو بہت کچھ غلط کروا دیتی ہے۔بیگانے سماج میں درمیانے اور امیر طبقے کے نوجوانوں میں مذہب،نسل،قوم پرستی اور ثقافتی تعصب کے رجحانات زیادہ آسانی سے پذیرائی حاصل کرتے ہیں۔مذہبی جنون اور دہشت گردی جیسے رجحانات اس لاشعوری نفسیاتی پراگندگی کو شعوری اظہار فراہم کرتے ہیں۔

جہادی ملاؤں اور مذہبی ٹھیکیداروں کے ساتھ ساتھ سامراجی حکمران اور ان کا نظام بھی اس رجحان کے ذمہ دار ہیں۔ منڈیوں اور وسائل پر تسلط کے لیے ایک کے بعد دوسرے ملک کو تاراج کرنے والا سامراج دانستہ طور پر مذہبی اور فرقہ وارانہ منافرت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یونان، فرانس، برطانیہ اور امریکہ جیسے ممالک میں طویل عرصے کے دوران نیم فاشسٹ پارٹیوں، گروہوں اور سیاسی رجحانات کا جزوی ابھار ہوا ہے لیکن ہٹلر، مسولینی اور فرانکو کی طرح یورپ یا امریکہ پر فسطائیت کا غلبہ آج ممکن نہیں جس کی بنیادی وجہ سماجی طبقات کا توازن ہے۔ آج مغرب میں ایک دیوہیکل محنت کش طبقہ موجود ہے چھوٹے کسان ناپید ہیں مڈل کلاس کی قلیل سی پرت مزید سکڑتی جا رہی ہے جبکہ نوجوانوں کی اکثریت کا رجحان بائیں بازو کی طرف ہے۔ محنت کش عوام کی روایتی سوشل ڈیموکریٹ پارٹیوں اور ٹریڈ یونین کی قیادتیں اگرچہ اصلاح پسندی اور موقع پرستی کی غلاظت میں غرق ہیں لیکن انقلابی تحریکوں کے تھپیڑے ماضی کے ان مزاروں کو نیست و نابود کر ڈالیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مزدور تحریک جب آگے بڑھتی ہے تو رنگ، نسل اور مذہب کے تعصبات کو پاش پاش کر ڈالتی ہے۔ مغرب میں محنت کشوں کی تنظیموں اور سیاسی جماعتوں میں نسل پرستی کے رجحانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

مذہبی بنیاد پرستی کو سامراجیوں نے ہی سرد جنگ کے دوران پروان چڑھایا تھا جسے آج بھی شام کی پراکسی جنگ میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ سامراج اور مذہبی بنیاد پرستوں کے تعلقات جتنے بھی کشیدہ رہے ہوں، کبھی منقطع نہیں ہوئے۔ مذہبی بنیاد پرستی دودھاری تلوار ہے جسے ایک طرف مختلف ممالک میں جارحیت کے جواز کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو دوسری طرف بیرونی خطرے کے طور پر مغربی محنت کشوں کے شعور پر حاوی کر کے استحصالی نظام کو اوجھل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسلامک اسٹیٹ امریکہ اور اس کے خلیجی اتحادیوں کی ہی پیداوار ہے جو اب قابو سے باہر ہو چکی ہے پہلے شام میں جہادی تیار کیے گئے انہی جہادیوں میں سے اسلامک اسٹیٹ

برآمد ہوئی جو عراق میں سرایت کر کے مختلف علاقوں پر قابض ہوتی چلی گئی۔ اب امریکہ اپنے ہی تیار کردہ جہادیوں کے پاس موجود اپنا ہی اسلحہ تباہ کرنے کے لیے اربوں ڈالر کا مزید اسلحہ چلانے کی تیاری کر رہا ہے۔ شام میں ایک دوسرے سے متصادم امریکہ اور ایران اب عراق میں اسلامک اسٹیٹ کے خلاف مشترکہ حکمت عملی بنا رہے ہیں عراق میں امریکہ کی تازہ عسکری مداخلت سے کوئی بہتری نہیں آئی بلکہ مزید بربادی ہوگی۔ یہ سامراجی اور مذہبی انتہا پسند نسل انسان کو صرف ذلت اور اذیت کی موت سے دے سکتے ہیں یہ جس سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہیں اس کے خلاف بغاوت ہی نجات کا واحد راستہ ہے!

☆☆☆

ایسا معلوم ہوتا ہے برطانوی حکومت پولیس اور انٹیلی جنس ایجنسیاں برطانیہ کے مسلم نوجوانوں کو شام اور عراق میں خلیفہ ابوبکر ابراہیم البغدادی کے سیاہ پرچم تلے لڑنے والی سپاہ میں شمولیت سے روکنے میں ناکام ہوگئی ہیں اور اب پولیس نے اعتراف کیا ہے کہ یہ مسئلہ اس وجہ سے اور زیادہ سنگین ہوگیا ہے کہ بڑی تعداد میں مسلم لڑکیاں ISIS کے جہادیوں کے صفوں میں شامل ہو رہی ہیں۔

پچھلے دنوں آسٹریا کی پولیس نے دو نوجوان مسلم لڑکیوں کو حراست میں لیا ہے جو شام جانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان لڑکیوں نے انکشاف کیا ہے کہ برطانیہ سے بڑی تعداد میں مسلم لڑکیاں ISIS کی سپاہ میں شامل ہونے کے لیے اپنے گھروں سے فرار ہو رہی ہیں۔ آسٹریا میں گرفتار ہونے والی لڑکیوں کا کہنا ہے کہ یہ نو مسلم لڑکیوں سمرا کیسینووچ اور سبینا سلیمیووچ کے نقش قدم پر ISIS میں شامل ہونے کے لیے شام جا رہی تھیں۔ سمرا اور سبینا اپریل میں اپنے گھروں سے غائب ہوگئی تھیں اور ابھی تک ان کا سراغ نہیں ملا ہے کہ وہ کہاں ہیں لیکن آسٹریا میں گرفتار ہونے والی لڑکیوں سے صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ یہ سیاہ پرچم والی سپاہ کے ساتھ عراق میں ہیں۔

برطانوی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا کہنا ہے کہ اس وقت پانچ سو سے زیادہ برطانوی

نوجوان ISIS کی سپاہ کے ساتھ مل کر لڑ رہے ہیں جن میں 130 برطانوی نوجوان لڑکیاں ہیں۔ان لڑکیوں میں سے ایک اٹھارہ سالہ برطانوی مسلم لڑکی نے پچھلے دنوں شام سے ٹویٹ کیا تھا کہ وہ ڈیوڈ کیمرون کا سر نیزے پر رکھنا چاہتی ہے۔آسٹریا میں گرفتار ہونے والی لڑکیوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ برطانیہ اور یورپ سے شام اور عراق جانے والی بیشتر جہادی مسلم لڑکیوں نے ISIS کی سپاہ کے نوجوانوں سے شادیاں کرلی ہیں اور اب ان کے اپنے وطن واپس جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

انٹیلی جنس ایجنسیوں نے حال ہی میں برطانیہ کی چار مسلم لڑکیوں کی شناخت کرلی ہے جو شام جا کر ISIS کی سپاہ میں شامل ہوئی ہیں اور انہوں نے وہاں شادیاں کرلی ہیں۔ان میں مانچسٹر کی دو سولہ سالہ جڑواں طالبات سلمہ اور زہرہ ہیں۔بتایا جاتا ہے کہ یہ اپنے بھائی کے پیچھے پیچھے شام گئی ہیں۔ان کا بھائی ISIS کی سپاہ میں شامل ہے۔تیسری لڑکی گلاسگو کی سولہ سالہ اقصیٰ مقصود ہے جو اب ام العیث کہلاتی ہے۔

گزشتہ دنوں میڈیا میں لندن میں لیوشم کے علاقہ کی ایک 25 سالہ نومسلم خدیجہ ڈیری کی تصویر شائع ہوئی ہے جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ 2010ء میں ISIS میں شامل ہونے کے لیے شام گئی تھی۔آج کل یہ اپنے سویڈش شوہر اور دو بچوں کے ساتھ وہاں رہ رہی ہے۔نام اس نے اپنا مہاجرہ فی شام رکھا ہے۔پچھلے دنوں اس خاتون نے شام میں ایک امریکی صحافی جیمس فولے کا سر قلم کیے جانے کی تعریف کی تھی اور اپنے ٹویٹ میں کہا تھا کہ اس واقعہ کے بعد یقیناً برطانیہ لرز رہا ہوگا۔مہاجرہ فی شام کا کہنا ہے کہ میں پہلی برطانوی خاتون بننا چاہتی ہوں جو اپنے ہاتھ سے کسی برطانوی یا امریکی دہشت گرد کا سر قلم کرے گی۔ ISIS کے ایک ویڈیو میں مہاجرہ فی شام کو AK47 چلاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔اس ویڈیو میں مہاجرہ فی شام برطانوی مسلمانوں سے کہہ رہی ہے کہ گھر میں بیٹھنے سے بہتر ہے کہ وہ شام آ کر جہاد میں شامل ہوں۔

اس ضمن میں تشویش کی بات یہ ہے کہ برطانیہ سے جو مسلم لڑکیاں جہادیوں کے ساتھ

شامل ہونے کے لیے شام اور عراق جارہی ہیں وہ بہت پڑھی لکھی ہیں اور ان میں سے بیشتر لڑکیاں اعلیٰ نمبروں سے اے لیول کے امتحان پاس کر چکی ہیں اور اچھی یونیورسٹیوں میں انہیں داخلہ مل چکا تھا اور تعلیم کے میدان میں ان کے لیے ترقی کے روشن امکانات تھے۔ان جہادی لڑکیوں میں سے بیشتر ترکی کے راستہ شام گئی ہیں کیونکہ جنوب مغربی ترکی کی سرحد سے ملحق ISIS کا زیر کنٹرول علاقہ ہے۔

متعدد مسلم تنظیموں نے مسلم لڑکیوں کے اپنے گھروں سے فرار ہوکر شام جانے کے اس سلسلہ پر گہری تشویش ظاہر کی ہے ان کا کہنا ہے کہ جہادیوں میں شامل ہونے کے لیے شام جانے والوں پر پابندی عائد کرنے ،ان کے پاسپورٹوں کی ضبطی اور انہیں برطانوی شہریت سے محروم کرنے کی تجاویز بے سود ہیں۔ برطانوی حکومت کو ان اسباب پر غور کرنا چاہیے جن کی وجہ سے مسلم نوجوانوں میں شدت پسندی میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ان اسباب میں سرفہرست برطانیہ کی خارجہ پالیسی ہے جو کھلم کھلا مسلمانوں اور مسلم ممالک کے خلاف ہے۔فلسطینیوں پر اسرائیل کے ظلم و ستم کی حمایت،عراق،افغانستان،لیبیا اور مصر میں منتخب صدر کا تختہ الٹنے والی فوج کی پشت پناہی پر مسلم نوجوانوں کے خون کھولتے ہیں اور اپنے آپ کو بے بس اور بے کس محسوس کرتے ہیں۔یہ مایوسی ان میں شدت پسندی بھڑکاتی ہے۔

شاید ان حالات کی وجہ سے ہی برطانیہ نے شام اور عراق میں ISIS کا قلع قمع کرنے کے لیے امریکہ کے آپریشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں عمان،بحرین اور متحدہ عرب امارات میں تین فوجی اڈے قائم کیے جارہے ہیں۔ان اڈوں میں شام میں ISIS کے خلاف فوجی کارروائیوں کی تربیت دی جائے گی اور خاص طور پر زور جاسوسی کی تربیت پر ہوگا۔لندن میں اس بات کا شدید احساس ہے کہ شام میں جہادی تنظیموں کی جاسوسی بہت کمزور رہی ہے جس کی وجہ سے القاعدہ سے ISIS کی علیحدگی اور اس کو ملنے والی فوجی اور مالی امداد پر کڑی نگاہ نہیں رکھی جاسکی۔شام سے سرحد پار کر کے عراق میں سیاہ پرچم کی سپاہ کی پیش قدمی کی اطلاع اس وقت ملی جب اس کی سپاہ کے طوفان نے عراق میں

موصل پر قبضہ کرلیا۔

تازہ انٹیلی جنس اطلاعات کے مطابق، حال میں امریکی بمباری کے بعد ISIS کی سپاہ نے کردستان کی جانب پیش قدمی روک کراب جنوب میں سعودی عرب کی سمت بڑھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ دفاعی تجزیہ کاروں کی رائے ہے کہ ISIS کی یہ نئی پیش قدمی جہاں ایک طرف سعودی عرب کے لیے بے حد خطرناک ہے تو دوسری جانب خود ISIS کی سپاہ کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ یہ علاقہ صحرا پر مشتمل ہے، اس لیے یہ سپاہ امریکی بمبار اور ڈرون طیاروں کا بڑی آسانی سے نشانہ بن سکتی ہیں۔

بہت سے لوگوں کو اس بات پر سخت تعجب ہے کہ اس وقت ISIS کے خلاف مہم کا تمام تر زور شام میں امریکی فضائی حملوں پر دیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے بلاشبہ شام کے صدر بشار الاسد کی منظوری لازمی ہوگی اور اگر بغیر منظوری کے یہ حملے کیے گئے تو روس یقیناً شام کے دفاع کے لیے میدان میں آجائے گا۔ دفاعی تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اس وقت شام سے زیادہ خطرناک صورتحال عراق میں ہے۔ اگر وہاں ISIS کی پیش قدمی نہ روکی گئی تو شام میں امریکی بمباری بے سود ثابت ہوگی۔

☆☆☆

مغرب سے تعلق رکھنے والی سینکڑوں نوجوان مسلم خواتین دولت اسلامیہ عراق وشام کے جنگجوؤں سے شادی کے لیے شام جا چکی ہیں۔ ان خواتین کو ماہرین نے عسکریت پسندوں کی سافٹ پاور (نرم قوت) کا حصہ قرار دیا ہے۔ داعش نے جنگجو بھرتی کرنے کے لیے سوشل میڈیا کو استعمال کیا ہے اور گروپ کو ایک ایسی انصاف پرور اور عادل ریاست کے احیاء کے طور پر پیش کیا ہے جس کی بہت سے مسلمان تمنا کرتے ہیں۔

ام معاویہ حال ہی میں شام میں داعش کی اسلامی ریاست کے دارالحکومت رقعہ پہنچی ہیں وہ انگریزی میں ٹویٹ کرتی ہیں اور انداز سے برطانوی لگتی ہیں۔ داعش کے خلاف جاری امریکی بمباری کے باوجود 8 اکتوبر کو انہوں نے ٹویٹ کیا کہ آخر کار وہ کسی نہ کسی طرح

دارالسلام پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں۔انہوں نے دوسروں کو بھی جلد از جلد شام کا رخت سفر باندھنے کی تلقین کی جب تک وہاں پہنچنے کا کوئی راستہ کھلا ہوا ہے۔

رقعہ پہنچنے کے فوراً بعد اپنے ٹویٹ میں انہوں نے کہا کہ "ایسا لگتا ہے کہ میں نے مغرب کو کبھی چھوڑا ہی نہیں، یہاں بہت سارے برطانوی اور یورپی موجود ہیں، یقین نہیں آتا"۔

چند روز بعد ہونے والے ایک فضائی حملے نے انہیں مزید نڈر بنا دیا۔انہوں نے ٹویٹ کیا "کل رات کافروں نے رقعہ پر حملہ کیا اور میں نے پہلی بار بمباری ہوتے دیکھی، الحمد اللہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا، اور کافروں کا مزید مال ضائع ہوا"

لندن کے انسٹی ٹیوٹ فار اسٹریٹیجک ڈائیلاگ کے ڈائریکٹر ساشا ہولیکیک ایسی خواتین، ان کے آن لائن فالورز کی دنیا اور وطن میں موجود نوجوان پرستاروں کو جہادی عورت کی طاقت کے منفرد کلچر کا حصہ قرار دیتی ہیں جس میں انٹرنیٹ سہولت کنندہ کا کردار ادا کر رہا ہے۔

ساشا کہتی ہیں کہ ان خواتین کے دولت اسلامیہ کی صفوں میں شامل ہونے سے جنگجوؤں کے حوصلے بڑھیں گے کیونکہ نظریات کی جنگ میں یہ ایک عمدہ دلیل ہوگی کہ مغربی خواتین جنہیں ساری آزادیاں میسر تھیں اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس راستے کا انتخاب کر رہی ہیں۔

15 سے 22 سال کی زیادہ تر نوجوان جہادی خواتین شام پہنچنے کے طریقوں پر مشورے کرنے، داعش کی پیش قدمیوں پر خوشی منانے اور اپنی نئی زندگیوں کے تاثرات بیان کرنے کے لیے سوشل میڈیا مثلاً ٹوئٹر، ٹمبلر اور میسجنگ سروس کک استعمال کرتی ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا طرز زندگی اختیار کرنے کی تڑپ رکھتی ہوں لیکن ان کی زبان جدید ٹیکنالوجی کے ماہر نوعمروں والی ہی ہے جس میں انگریزی حروف میں لکھی گئی مذہبی عربی اصطلاحات کے ساتھ عمومی زبان اور ایموٹیکون (علامات) استعمال کی جاتی ہیں۔ساشا اسے ایک طرح کا پرکشش منفرد جہادی کلچر قرار دیتی ہیں جس میں عربی الفاظ

شامل کیے جاتے ہیں تاکہ مستند ہونے اور گروہ کا حصہ ہونے کا احساس دلایا جاسکے۔

ایک خاتون مہاجرہ امت اللہ ٹوئٹر پر اپنا تعارف اس طرح کراتی ہیں۔ ''ایک مہاجرہ/ بیوی/ ماں ہوں جسے انٹرنیٹ تک رسائی حاصل ہے۔ فکر نہ کرو مجھ سے تمہاری قومی سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں''۔

ایک دوسری ٹویٹ میں انہوں نے ایک مطمئن خاتون خانہ کی تصویر پوسٹ کی۔ ''ماشا اللہ آج رقعہ میں خوبصورت نیلا آسمان ہے۔ کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے دھونا دھلانا؟ حقیقی گھریلو خاتون کی طرح بول رہی ہوں''۔

لیکن گھریلو پن اور رقعہ کے بازار میں کینو اور کیلوں کے بارے میں مشاہدات کے ساتھ ساتھ داعش کے فوجیوں کی بہادری کی تعریفیں بھی کی گئیں جنہیں دشمن کے فوجیوں کے برعکس اصل مرد قرار دیا گیا۔ امت اللہ لکھتی ہیں ''وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ سوتے ہیں اور سر تن سے جدا کرتے ہیں''۔

داعش کی جانب سے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے پر مخالفین کی تنقید کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے غلامی کی اجازت دینے والی مذہبی تعلیم کے حوالہ جات پوسٹ کیے۔ ''جنگی قیدیوں (بشمول غلام مردوں، عورتوں، بچوں) سے متعلق اسلامی احکامات۔ مذمت، انکار یا مخالفت کرنے سے قبل پڑھ لیں''۔

برطانوی پریس نے ام حسین البرطانوی کی شناخت اسلام قبول کرنے والی گلوکارہ سیلی جونز کے نام سے کی ہے۔ انہوں نے 13 اکتوبر کو ٹویٹ کی ''کافر عورتوں کو غلام بنانا عبادت ہے''۔

ماہرین نے تخمینہ لگایا ہے کہ تقریباً 60 برطانوی خواتین داعش میں شامل ہو چکی ہیں تاہم تمام اعداد و شمار غیر حتمی ہیں۔ سویڈن، فرانس، بلجیم، کینیڈا، اور امریکہ سے بھی خواتین شام جا چکی ہیں۔ رپورٹس کے مطابق برطانوی خواتین الخنساء بریگیڈ میں شامل ہو گئی ہیں جو عورتوں پر مشتمل ہے۔ الخنساء بریگیڈ کو رقعہ میں خواتین پر اسلامی احکامات نافذ کرنے کی

ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

آن لائن بھی جہادی عورتیں اخلاقی اصول لاگو کرنے کی کوشش میں نظر آتی ہیں۔ ایک ٹوئٹر اکاؤنٹ ارحاب بی اخنس کے نام سے ہے جس کے معنی ہیں دہشت گرد بہنیں...... یہ اکاؤنٹ ان جہادی مردوں کے نام سامنے لانے اور انہیں شرمندہ کرنے کے لیے وقف ہے جو لڑکیوں کے ساتھ آن لائن فلرٹ کرتے ہیں۔ یہ خبردار کرتا ہے۔" یا اخوات (بہنوں) ٹوئٹر پر 140 الفاظ کسی کا دین اور اخلاق نہیں بتا سکتے، بے وقوف بننے سے بچیں، شیطان سب کو بہکاتا ہے۔"

☆☆☆

لمحہ لمحہ بدلتی صورتحال کی کہانی

داعش کی پاکستان میں سرگرمیوں کے حوالے سے آپ نے اخبارات اور چینلز پر بہت کچھ پڑھ اور سن لیا ہوگا جہاں ہمارے انتہائی ''باخبر'' وزیر داخلہ چوہدری نثار علی اس کے پاکستان میں وجود ہی سے انکاری ہیں وہاں بہت سے باخبر اور حالات پر نظر رکھنے والے صاحبان علم و دانش کو پاکستان کے لیے ایک بڑا چیلنج قرار دے رہے ہیں خاص طور پر بلوچستان حکومت کی طرف سے جاری ہونے والی اس خصوصی رپورٹ کے حوالے سے جس میں بتایا گیا ہے کہ داعش پاکستان میں لشکر جھنگوی کی معاونت سے مصروف عمل ہے۔ اس کے پانچ سو سے زائد ''ماہرین حرب وضرب'' پاکستان میں داعش کے قریباً پانچ ہزار حامیوں کو منظم کر رہے ہیں۔

پاکستان کے بیشتر اخبارات کی 11 نومبر 2014ء کی خبروں کے مطابق لاہور میں ''داعش'' کے خلاف وال چاکنگ پر پہلا مقدمہ قائم کر دیا گیا ہے اور سکیورٹی حکام نے لاہور کے بعض مدارس اور مخصوص ٹھکانوں کی نگرانی بھی شروع کر دی ہے۔ ڈی آئی جی نے حکم جاری کیا کہ جس علاقے میں بھی ''داعش'' کی وال چاکنگ یا پوسٹرز دکھائی دیے متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔ اس سے آپ اندازہ فرمالیں کہ کتنی سختی سے حکومت نے اس وال چاکنگ کا نوٹس لیا ہے۔ اس ضمن میں یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا

کہ جس طرح ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے کراچی میں سب سے پہلے طالبان کی موجودگی کی نشاندہی کی تھی۔ اسی طرح انہوں نے "داعش" کی سارے پاکستان میں موجودگی اور ممکنہ خطرات سے بھی ساری قوم کو آگاہ کر دیا ہے۔ جس کے بعد بھی شاید سرکاری حلقوں نے اس کا نوٹس لینا شروع کیا اور اب قریباً ہر دوسرے تیسرے روز اخبارات میں اس حوالے سے کوئی نہ کوئی خبر موجود ہوتی ہے۔

داعش کے خلاف امریکہ نے فضائی حملوں کا آغاز ستمبر 2014ء میں کر دیا تھا اس حوالے سے جو خبریں پڑھنے کو ملیں ملاحظہ فرمائیں اس سے آپ کو روز بروز ہونے والے ڈویلپمنٹ کا علم ہو جائے گا۔

28 ستمبر 2014ء کی اطلاعات کے مطابق امریکہ کے دو سب سے بڑے اور اہم ترین اتحادیوں برطانیہ اور جرمنی نے شام میں امریکہ کے فضائی حملوں میں شریک ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ دونوں یورپی ممالک کا کہنا ہے کہ وہ دولت اسلامیہ (آئی ایس آئی اے) کی پیش قدمی اور عسکری فتوحات کو روکنے کے لیے دیگر متبادل اقدامات پر غور کر رہے ہیں۔ برلن میں ملاقات کے بعد دونوں ملکوں کے وزرائے خارجہ کا کہنا تھا کہ شام میں دولت اسلامیہ کے خلاف ممکنہ امریکی فضائی حملوں میں ساتھ نہیں دیا جائے گا۔ برطانوی وزیر خارجہ فلپ ہیمنڈ نے کہا کہ گزشتہ سال ہماری پارلیمنٹ فضائی حملوں میں شریک نہ ہونے کا فیصلہ دے چکی ہے اور برطانیہ اب اس معاملے پر دوبارہ غور نہیں کرے گا۔ جبکہ جرمن وزیر خارجہ فرینک والٹر کا کہنا تھا کہ جرمنی کو نہ تو امریکہ نے فضائی حملوں میں ساتھ دینے کے لیے کہا ہے اور نہ ہی جرمنی ایسا کوئی ارادہ رکھتا ہے۔

برلن اور لندن کی جانب سے یہ مشترکہ موقف اس وقت سامنے آیا جب ایک رات پہلے ہی امریکی صدر باراک اوباما نے شام میں دولت اسلامیہ کے خلاف فضائی حملوں کے چار مراحل پر مبنی منصوبے کا اعلان کیا۔ تاہم ماضی میں عراق اور افغانستان پر یلغار میں بڑھ چڑھ کر امریکہ کا ساتھ دینے والے اس کے دونوں یورپی اتحادیوں نے اب شام میں واشنگٹن

کے فضائی حملوں کا منصوبہ مسترد کر دیا ہے۔ جرمن وزیر خارجہ فرینک والٹر نے اپنے برطانوی ہم منصب کے ساتھ مشترکہ نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جرمنی کو بخوبی اندازہ ہے کہ "داعش، خطے کے لیے ایک بڑا خطرہ بن چکی ہے اور یہ تنظیم مسلسل پیش قدمی کر رہی ہے۔ فرینک والٹر نے بتایا کہ جرمنی نے عراق میں کردوں کو آئی ایس کے خلاف مسلح کرنے کا عمل شروع کیا ہے، اسی وجہ سے ہم فضائی حملوں کے امریکی منصوبے کو مسترد کرتے ہیں۔ دوسری جانب شامی حکمراں بشار الاسد کے انتہائی قریبی حلیف روس نے شام میں دولت اسلامیہ کے جنگجوؤں کے خلاف فضائی حملوں کے امریکی فیصلے پر سخت تنقید کرتے ہوئے اسے بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اور شام پر حملے کے مترادف قرار دیا ہے۔ ماسکو میں روسی وزارت خارجہ کے ترجمان کا کہنا تھا کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں مناسب مذاکرات کیے بغیر ایسا کوئی بھی اقدام جارحیت اور عالمی قوانین کی کھلی خلاف ورزی ہوگا۔

(بحوالہ واشنگٹن ٹائمز)

☆☆☆

28 ستمبر 2014ء کو برطانوی اخبارات نے اس حوالے سے تین اہم خبریں شائع کیں۔ پہلی خبر کے مطابق عراق اور شام میں اسلامی جہادی تنظیم آئی ایس آئی اے (داعش) کی بڑھتی ہوئی پیش قدمیوں سے خائف خطے کے دس عرب اور خلیجی ممالک نے اس تنظیم کے خلاف امریکہ کے ساتھ مل کر فوجی مہم شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان گزشتہ دنوں سعودی عرب کی میزبانی میں جدہ میں ہونے والے ایک مشاورتی اجلاس کے اختتام پر کیا گیا۔ اجلاس میں سعودی عرب، قطر، عمان، بحرین، کویت، یو اے ای، مصر، عراق، اردن اور لبنان کے وزرائے خارجہ کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے اہم ترین غیر عرب مسلم ملک ترکی کے نمائندوں اور امریکی وزیر خارجہ جان کیری نے بھی خصوصی شرکت کی۔

اجلاس میں تمام عرب و خلیجی ممالک نے داعش کے خلاف امریکہ کی قیادت میں فوجی مہم

کا حصہ بننے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ تمام دہشت گرد گروپوں سے مقابلے کے لیے متحد اور امریکہ کے ساتھ ہیں۔ واضح رہے کہ خلیج تعاون کونسل (جی سی سی) میں شامل چھ عرب ممالک پہلے ہی اس خطے میں امریکہ کے اہم ترین اتحادی تصور کیے جاتے ہیں۔ اجلاس کے بعد جاری کردہ مشترکہ اعلامیہ میں عرب ممالک نے خطے میں غیر ملکی جنگجوؤں کا راستہ روکنے، داعش کو مالی وسائل اور ہتھیاروں کی فراہمی کا سدباب کرنے، شدت پسندوں کی کارروائیوں سے متاثرہ افراد تک امداد پہنچانے اور شدت پسندوں کے منافرت پر مبنی نظریات کا مقابلہ کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ اس کے علاوہ اجلاس کے شرکاء نے عراق میں نئی حکومت کے قیام اور اس کی جانب سے تمام عراقیوں کے مفادات کا تحفظ کرنے کے اعلان کا بھی خیر مقدم کیا۔

دوسری جانب ترکی نے دولت اسلامیہ کے خلاف امریکہ اور اس کے عرب اتحادیوں کی جانب سے مشترکہ فوجی مہم شروع کرنے کے اعلان پر محتاط ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ ترک وزیر اعظم احمد داؤد اوغلو نے ایک انٹرویو میں کہا کہ عراق میں امریکی فضائی حملے ضروری ہیں، تاہم صرف ان کی بدولت اس ملک میں سیاسی استحکام کے خواب دیکھنا درست نہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ امریکی اقدامات کا جواز موجود ہے مگر یہ عراق میں استحکام کے لیے ناکافی ہیں۔ داؤد اوغلو کا یہ بیان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا جب امریکی وزیر خارجہ جان کیری اہم دورے پر ترکی میں موجود تھے۔ کیری نے دارالحکومت انقرہ میں ترک صدر رجب طیب اردوان، وزیر اعظم داؤد اوغلو اور وزیر خارجہ میقلوت چاؤ شوغلو سے ملاقاتیں کیں۔ امریکی وزیر خارجہ نے ترک رہنماؤں پر زور دیا کہ وہ دولت اسلامیہ کے خلاف صدر اوباما کی اعلان کردہ حکمت عملی میں تعاون کریں۔ واضح رہے کہ ترکی پہلے ہی شام میں بشار الاسد کی حکومت کے خلاف لڑنے والے باغیوں کا ایک بڑا اتحادی اور مددگار ہے۔ تاہم ترکی حکومت امریکہ کے زیر قیادت شام اور عراق میں دولت اسلامیہ کے خلاف براہ راست فوجی کارروائی کا حصہ بننے سے گریز کر رہی ہے۔

اسی روز دوسری خبر کے مطابق ایرانی قیادت نے امریکی صدر باراک اوباما کی جانب سے شام وعراق میں جہادی تنظیم دولت اسلامیہ کے خلاف فوجی کارروائی کے لیے ''بین الاقوامی اتحاد'' کی تشکیل پر شک کا اظہار کیا ہے۔ تہران میں ایرانی وزارت خارجہ کی خاتون ترجمان مرضیہ افخام نے ایک میڈیا بریفنگ کے دوران کہا کہ ایران کو اس نام نہاد بین الاقوامی اتحاد کی سنجیدگی اور اخلاص پر شک ہے جو امریکہ دولت اسلامیہ کے خلاف بنانے جا رہا ہے۔ ترجمان کا کہنا تھا کہ دہشت گردی کے بنیادی اسباب کا تعین اور تدارک کیے بغیر ایسے کسی بھی بین الاقوامی اقدام کی سنجیدگی اور اخلاص پر سوالیہ نشان موجود رہے گا۔ واضح رہے کہ امریکہ اور اس کے نیٹو اتحادیوں نے گزشتہ دنوں برطانیہ کے شہر ویلز میں ہونے والے سربراہ اجلاس کے موقع پر مشرق وسطیٰ میں دولت اسلامیہ کے خلاف بین الاقوامی اتحاد کی تشکیل پر اتفاق کیا تھا۔

☆☆☆

اسی روز تیسری خبر کے مطابق شام میں حکومتی فورسز کی جانب سے شہریوں پر بمباری کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں گزشتہ دنوں شام کے دارالحکومت دمشق کے نواح میں ایک آبادی پر شامی حکومت کی جانب سے کی جانے والی بمباری میں کم سے کم 42 شہری جاں بحق اور نامعلوم تعداد میں زخمی ہوئے۔ جاں بحق ہونے والوں میں سات بچے بھی شامل تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ مرنے والوں میں نامعلوم تعداد میں وہ باغی بھی شامل ہیں جو بشار الاسد کی ظالم حکومت کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں۔ اس حوالے سے سرگرم افراد نے انٹرنیٹ پر ایک ویڈیو اپ لوڈ کی ہے جس میں سرکاری بمباری سے ہونے والی تباہی کو دکھایا گیا ہے۔ اس ویڈیو میں لوگوں کو سوختہ لاشیں اٹھاتے ہوئے دکھایا گیا ہے جبکہ اسی دوران آگ بجھانے والا عملہ ان عمارتوں میں لگی ہوئی آگ بجھانے کی کوشش کر رہا ہے جو بمباری کا نشانہ بنے تھے۔

(بحوالہ......گارڈین، لندن)

29 ستمبر 2014ء کی ایک اہم خبر ایران کے اس الزام کے حوالے سے تھی کہ امریکہ ''داعش'' کے خلاف کارروائی کی آڑ میں دراصل شامی حکومت کو ختم کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ ایران نے امریکہ کو خبردار کیا ہے کہ وہ جہادی تنظیم دولت اسلامیہ کے خلاف کارروائی کے نام پر اپنے اتحادیوں کے ساتھ شام پر حملے سے باز رہے۔ اس کا کہنا ہے کہ امریکہ اس کارروائی کی آڑ میں شامی صدر بشارالاسد کی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔

یورپی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق تہران کی جانب سے یہ موقف اس وقت سامنے آیا ہے جب واشنگٹن اپنے عرب اتحادیوں اور یورپی اتحادیوں کے ساتھ مل کر عراق اور شام میں ''داعش'' کے خلاف بڑی فوجی کارروائی کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ایران کا کہنا ہے کہ امریکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر ایک آزاد ملک (شام) کی خودمختاری میں مداخلت کر رہا ہے۔ ایرانی قومی سلامتی کونسل کے سربراہ علی شمخانی نے کہا ہے کہ واشنگٹن اس سے قبل کئی دوسرے ممالک کی خودمختاری کو روندتے ہوئے ان میں حملے کر چکا ہے اور اب شام میں بھی اس نے غیر قانونی کارروائی کا فیصلہ کیا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ امریکیوں کا ایک بہانہ ہے جس کی آڑ میں وہ دوسرے ممالک کی خودمختاری کو چیلنج کرتے ہیں۔ امریکی حکومت دولت اسلامیہ کے خلاف کارروائی کے بہانے شامی حزب اختلاف کی مدد سے صدر بشارالاسد کی حکومت کو ختم کرنے کی سازش کر رہی ہے۔ ادھر ایرانی مجلس شوریٰ کے سربراہ علی لاریجانی نے بھی شام میں امریکی مداخلت پر سخت انتباہ کیا ہے۔ ایران کی سرکاری نیوز ایجنسی کے مطابق لاریجانی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ داعش کے خلاف جنگ کی آڑ میں شام میں مداخلت خطے میں آگ بھڑکانے کے مترادف ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ امریکہ آگ سے کھیلنا بند کرے۔ شام پہلے ہی ایک سنگین بحران سے گزر رہا ہے، ایسے میں وہاں حملہ کرنا آگ کو مزید بھڑکانے کے مترادف ہوگا۔ لاریجانی کے مطابق شام پر حملہ کیا گیا تو حالات امریکہ کے قابو سے باہر ہو جائیں گے اور بعد کے نتائج کی ذمہ داری امریکہ پر عائد ہوگی۔ واضح رہے کہ گزشتہ دنوں امریکہ نے

داعش کے خلاف لڑائی کے نام پر دو درجن سے زائد ممالک کا اتحاد قائم کیا تھا۔امریکہ اور فرانس نے شام میں فضائی حملوں کا آغاز کر دیا ہے۔

(بحوالہ فاکس ٹی وی نیوز)

☆☆☆

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں بالآخر ترکی نے بھی امریکہ سے طویل مذاکرات کے بعد داعش کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔رپورٹ کے مطابق ترکی کے صدر رجب طیب اردوان نے اعلان کیا ہے کہ ان کا ملک خطے میں تیزی سے ابھرنے والی عسکریت پسند تنظیم دولت اسلامیہ فی العراق والشام (داعش) سے لڑے گا دوسری جانب شام میں داعش کے خلاف اتحادی ممالک کے حملوں میں تیزی آ گئی ہے اور امریکی طیاروں نے ترکی اور شام کی سرحد پر واقع کرد آبادی کے قصبے عین العرب کے قرب و جوار میں داعش کے جنگجوؤں پر متواتر حملے کیے ہیں۔اسی دوران ترک پارلیمنٹ نے حکومت کی پیش کردہ ایک قرارداد منظور کرتے ہوئے عسکریت پسندوں کے خلاف جنگ کے لیے ترک فوج کو عراق اور شام کی سرزمین پر بھیجنے کی اجازت دے دی۔جبکہ دوسری طرف داعش نے ترکی کی سرحد پر واقع شامی کردوں کے قصبے کوبانی (عین العرب) کے گرد اپنا محاصرہ مزید تنگ کر دیا۔ترک پارلیمنٹ نے حکومت کو جو اجازت دی ہے وہ صرف داعش کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام جنگجو گروپوں سے متعلق ہے۔اسی طرح پارلیمنٹ کی طرف سے اب ترک حکومت کو یہ اجازت بھی مل گئی ہے کہ وہ جنگجوؤں کے خلاف کارروائی کے لیے ترکی کی سرزمین غیر ملکی افواج کے استعمال کے لیے دے سکتی ہے۔واضح رہے کہ ترکی مغربی دفاعی اتحاد ''نیٹو'' کا ایک اہم رکن ہے اور ترکی کے جنوبی شہر انجیرلک میں امریکی فضائی اڈا بھی قائم ہے۔قبل ازیں صدر طیب اردوان نے پارلیمنٹ سے خطاب کے دوران اعلان کیا تھا کہ ترکی داعش اور خطے میں دوسرے دہشت گرد گروپوں سے لڑے گا،مگر ساتھ ہی وہ شامی حکمران بشارالاسد کو اقتدار سے ہٹانے کے اپنے مقصد پر قائم رہے گا۔

مبصرین کے مطابق ترک سرحد کے ساتھ داعش کی بڑھتی ہوئی پیش قدمیوں نے انقرہ حکومت پر یہ دباؤ بڑھا دیا ہے کہ وہ داعش کے خلاف جاری بین الاقوامی جنگ میں زیادہ بڑا کردار ادا کرے۔ دریں اثناء امریکی قیادت میں اتحادی ممالک کی فورسز نے شام میں کردوں کے سرحدی شہر عین العرب پر حملہ کرنے والے داعش کے جنگجوؤں کو متعدد بار فضائی بمباری کا نشانہ بنایا ہے۔ سیرین آبزرویٹری فار ہیومن رائٹس کے مطابق غیر ملکی فضائی حملوں میں عین العرب کے جنوب اور جنوب مشرق میں داعش کی پوزیشنوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ جنگجوؤں نے گزشتہ دو ہفتوں سے اس قصبے کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ آبزرویٹری کے مطابق داعش کے ایک ٹینک پر فضائی حملے میں کم از کم آٹھ جنگجو مارے گئے ہیں۔ دوسری جانب امریکی فوجی ذرائع کا کہنا تھا کہ داعش کے خلاف جنگ کے آغاز کے بعد اگست کے مہینے میں امریکی طیاروں نے عراق اور شام میں مجموعی طور پر چار ہزار ایک سو پروازیں کی ہیں۔

☆☆☆

اسی روز ایک اہم اطلاع کے مطابق عراق کے خودمختار کرد علاقے کی فوج (پشمرک) نے شمالی عراق میں داعش کے خلاف بیک وقت تین محاذوں پر حملوں کا آغاز کیا ہے۔ کرد فوجی کمانڈروں کے مطابق فورسز نے ان حملوں کا آغاز علی الصباح سورج نکلنے سے پہلے کیا اور شامی و عراق سرحد پر واقع ایک قصبے رابعہ کے علاوہ جنگجوؤں کے زیر کنٹرول شہر موصل کے شمال اور تیل کے مرکز کرکوک کے جنوب میں جنگجوؤں کے خلاف بیک وقت حملے شروع کیے۔

پشمرکہ کے ایک سینئر افسر کا کہنا تھا کہ کرد فوجی موصل سے 100 کلومیٹر شمال میں السعودیہ اور محمودیہ نامی دو گاؤں پر قبضے کے بعد شامی سرحد پر واقع قصبے رابعہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ مذکورہ افسر کا یہ بھی کہنا تھا کہ کرد فوج، جسے توپ خانے اور امریکی جنگی طیاروں کی بھی مدد حاصل ہے، موصل سے ساٹھ کلومیٹر شمال مغرب میں عراق کے سب سے بڑے ڈیم

کے قریب واقع قصبے الزمر پر قابض جنگجوؤں پر بھی حملے کر رہی ہے۔ واضح رہے کہ فرانس اور برطانیہ کے جنگی طیارے بھی عراق میں دولت اسلامیہ کے خلاف حملے کر رہے ہیں۔ فضائیہ کے طیارے بھی یومیہ بنیادوں پر جنگجوؤں کے خلاف حملوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف کردوں کی پشمرگہ فورسز نے جنوب میں فضائی مدد کے بل بوتے پر مزید پیش قدمی کرتے ہوئے دقوق نامی قصبے کے گردونواح میں کئی دیہات کو داعش سے چھڑوالیا ہے۔ ان دیہات پر داعش نے 10 جون سے قبضہ کررکھا تھا۔

(الجزیرہ ٹی وی رپورٹ)

☆☆☆

اکتوبر 2014ء کے آغاز میں ہی اس حوالے سے برطانیہ میں مباحث جاری تھے ایک اہم مبصر نے صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔ برطانیہ آخر کار امریکہ کا دامن پکڑے عراق کی تیسری جنگ کے میدان میں کود پڑا ہے۔ برطانوی پارلیمنٹ کے خاص اجلاس میں سات گھنٹے کی بحث کے بعد 43 کے مقابلہ میں 524 ووٹ سے عراق میں دولت اسلامی ISIS کے خلاف فضائی حملوں کی تحریک منظور کرلی گئی۔ 169 اراکین نے البتہ ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا۔ تحریک کی منظوری کے فوراً بعد برطانیہ کے 6 ٹورنیڈو جنگی طیارے عراق میں دولت اسلامی کے ٹھکانوں پر بمباری کے مشن پر روانہ ہوگئے۔ پارلیمنٹ نے عراقی فوج کی تربیت کے لیے فی الفور فوجی مشیر بغداد بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یوں برطانیہ بھی امریکہ کے ساتھ عراق میں فوجی مداخلت میں شامل ہوگیا ہے اور عراق کی تیسری جنگ کا آغاز ہوگیا ہے۔ گو اس مقصد کے لیے وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون نے جو تحریک پیش کی، اس میں صرف عراق میں فوجی کارروائی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن انہوں نے صاف صاف کہا ہے کہ اگر برطانیہ کے قومی مفاد کی خاطر عراق کے علاوہ کہیں اور کارروائی لازمی ہوئی تو یہ کارروائی شروع کی جائے گی اور بعد میں پارلیمنٹ سے منظوری لی جائے گی۔ گو انہوں نے شام کا نام نہیں لیکن لیکن ان کا واضح اشارہ شام میں فوجی کارروائی کی طرف تھا۔ شام کے صدر بشار الاسد نے

ابھی تک اپنی حریف دولت اسلامی کے خلاف کارروائی نہ تو درخواست کی ہے اور نہ اجازت دی ہے لیکن دشمن کے خلاف دشمن کی کارروائی پر معنی خیز خاموشی اختیار کی ہے۔

لیبر پارٹی کی طرف سے عراق میں فضائی حملوں کی تحریک کی حمایت کے خلاف بطور احتجاج پارٹی کی شیڈو وزیر تعلیم روشن آراء علی نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔لندن کے بیتھنل گرین حلقہ کی رکن پارلیمنٹ روشن آراء علی کو گزشتہ سال شیڈو کابینہ میں وزیر تعلیم مقرر کیا گیا تھا۔ان کا کہنا ہے کہ وہ دولت اسلامی کی ہولناک بربریت کے خلاف ہیں لیکن ان کی رائے میں عراق میں فوجی کارروائی سے اور زیادہ خون خرابہ ہوگا۔انہوں نے تحریک پر ووٹنگ سے پہلے اپنے استعفیٰ کا اعلان کیا۔

دارالعوم میں بحث کے دوران اس وقت ہنگامہ برپا ہو گیا جب بریڈفورڈ سے رسپیکٹ پارٹی کے رکن جارج گیلووے نے کہا کہ دولت اسلامی نے عراق میں برطانیہ کے برابر رقبہ پر قبضہ عراقیوں کی کاہلی کی وجہ سے کیا ہے جو مغرب کی پالیسیوں کی بناء پر کاہل بن گئے ہیں۔ جارج گیلووے کا کہنا تھا کہ دولت اسلامی محض ایک خیالی فوج ہے اور برطانیہ کے سابق وزیر دفاع کا یہ بیان بہت مضحکہ خیز ہے کہ ہمیں دولت اسلامی کی فوج کے اڈوں پر بمباری کرنی چاہیے۔وہ یہ نہیں جانتے کہ دولت اسلامی کا کوئی اڈہ نہیں اور اس کی سپاہ کی تعداد محض دس ہزار سے بیس ہزار تک ہے۔جارج گیلووے نے خبردار کیا کہ جس طرح پچھلی عراق جنگ کے نتیجے میں انتہاپسندی بڑھی تھی، اسی طرح اس جنگ کی وجہ سے حالات اور خراب ہوں گے اور انتہاپسندی بڑھے گی۔

جارج گیلووے نے سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک کو آڑے ہاتھوں لیا اور پوچھا کہ سعودی عرب نے جس کے پاس سات سو لڑاکا طیارے ہیں، شام میں دولت اسلامی پر بمباری کے لیے کیوں نہیں استعمال کیے اور ترکی نیٹو کا رکن ہے، اس نے شام میں بمباری کیوں نہیں کی۔یہ کام صرف امریکہ، برطانیہ اور فرانس کا رہ گیا ہے کہ وہ اپنے پیدا کیے ہوئے فتنوں کو کچلنے کے لیے کوشش کرتے رہیں؟ جارج گیلووے نے یاد دلایا کہ 2003ء میں

عراق کی جنگ سے پہلے عراق میں کوئی القاعدہ نہیں تھی اور نہ اسلامی بنیاد پرستی۔ یہ سب مغرب کی جنگ کا کیا دھرا ہے۔ وزیراعظم کیمرون اوران کے وزیر دفاع مائیکل فیلن نے بار بار یہ کہا کہ عراق میں دولت اسلامی کا قلع قمع کرنے میں چند ہفتے یا چند مہینے نہیں بلکہ کئی سال لگیں گے اور دفاع تجزیہ کاروں کی بھی رائے ہے کہ عراق کی یہ تیسری جنگ خاصی طویل جنگ ثابت ہوگی۔ ان کا کہنا ہے کہ صرف بمباری سے دولت اسلامی کی سپاہ کا قلع قمع ممکن نہیں ہے۔ اس مقصد کے لیے زمینی فوجی کارروائی لازمی ہوگی اور یہ پیش گوئی کرنی مشکل ہے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ دولت اسلامی کا اس وقت شام کے ایک تہائی علاقے پر اور عراق میں ایک چوتھائی علاقے پر قبضہ ہے اور چونکہ یہ سنی علاقے ہیں لہٰذا دولت اسلامی کو ان کی حمایت حاصل ہے۔ پھر دولت اسلامی کو شام اور عراق دونوں جگہ تیل کے چار کنوؤں اور تیل صاف کرنے کے پانچ کارخانوں پر قبضہ حاصل ہے جہاں سے انہیں تیل نہایت سستے داموں بلیک مارکیٹ میں فروخت کرنے سے چار ملین ڈالر یومیہ کی آمدنی ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ دولت اسلامی نے موصل کے بینکوں سے دو ارب ڈالر کی رقم ہتھیالی ہے۔ ان بے انتہا مالی وسائل کی بناء پر دولت اسلامی اپنی سپاہ میں بڑی تیزی سے اضافہ کر رہی ہے۔ عراق کی فوج کے سنی فوجی پہلے ہی ہلے میں فوج سے فرار ہو کر دولت اسلامی کی سپاہ میں شامل ہو گئے تھے اور بھاری اسلحہ بھی ساتھ لے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عراق میں دولت اسلامی کی سپاہ پر گزشتہ چھ ہفتوں سے امریکہ بمباری کر رہا ہے۔ لیکن ابھی تک دولت اسلامی کی پیش قدمی روکنے میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ عراق کی یہ تیسری جنگ بڑی حد تک افغانستان کی جنگ کی صورت اختیار کر جائے گی جہاں گزشتہ تیرہ سال کی جنگ میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو ناکامی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ القاعدہ کا اثر افغانستان سے نکل کر پورے برصغیر میں پھیل گیا ہے اور طالبان ایک طاقتور چھاپہ فوج کی حیثیت سے افغانستان کے ایک بڑے علاقے پر چھا گئے ہیں۔

(بحوالہ.....لندن ٹائمز)

22 اکتوبر 2014ء کو یہ اہم خبر ملی کہ ترکی نے اپنے پڑوسی ملک شام میں تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے جہادی تنظیم دولت اسلامیہ (داعش) کے خلاف تنہا زمینی فوجی کارروائی سے انکار کر دیا ہے۔ انقرہ حکومت کا کہنا ہے کہ کسی کو یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ ترکی داعش کے خلاف شام میں زمینی آپریشنز کی تنہا قیادت کرے گا۔ امریکہ اور مغربی ممالک کی جانب سے ترک حکومت پر یہ دباؤ بڑھتا جا رہا ہے کہ وہ اپنی سرحد کے قریب واقع شامی کردوں کے اہم قصبے "کوبانی" کو داعش سے بچانے کے لیے زمینی فوجی کارروائی کرے۔ اس سلسلے میں ترک حکام پر دباؤ ڈالنے کے لیے مغربی دفاعی اتحاد "نیٹو" کے سیکرٹری جنرل جینس اسٹولٹن برگ نے گزشتہ ہفتے انقرہ کا دورہ بھی کیا تھا۔ ملاقات اور مذاکرات کے بعد ترکی کے وزیر خارجہ میولت جاوسوگلو نے اسٹولٹن برگ کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "ترکی سے اپنے طور پر تنہا زمینی فوجی کارروائی کی امید رکھنا حقیقت پسندی کی نفی ہے۔" واضح رہے کہ ترکی نیٹو اتحاد کا ایک اہم رکن ہے۔ حالیہ دنوں میں امریکہ اور یورپی اتحادی ممالک کی طرف سے ترکی پر یہ دباؤ ڈالا جاتا رہا ہے کہ وہ شام میں عسکریت پسندوں کے خلاف اپنی فوجی طاقت استعمال کرے۔

اگرچہ گزشتہ ہفتے ترک پارلیمنٹ بھی حکومت کو فوجی کارروائی کی اجازت دے چکی ہے، تاہم انقرہ تا حال کوئی قدم اٹھانے سے گریزاں ہے۔ ترکی اپنے اتحادیوں پر یہ واضح کر چکا ہے کہ صرف اسی صورت اپنی فوج کو شام بھیجے گا جب وہاں ایک ایسی ٹھوس اور اجتماعی بین الاقوامی کارروائی کی جائے جس کا مقصد داعش کے خاتمے کے ساتھ بشار الاسد کو بھی اقتدار سے ہٹانا ہو۔ ترک صدر رجب طیب اردوان بھی یہ کہہ چکے ہیں کہ انقرہ کی جانب سے شام میں فوجی مداخلت کے لیے ضروری ہے کہ وہاں مہاجرین کے تحفظ کے لیے ایک "نو فلائی زون" بنایا جائے۔ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ترکی کے وزیر خارجہ نے مزید کہا کہ شام میں بشار الاسد کے اقتدار کے خاتمے تک کبھی بھی حقیقی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ان کا کہنا تھا کہ عسکریت پسندوں کے خلاف امریکی قیادت میں فضائی حملے شام میں امن لانے

کے لیے ناکافی ہیں اور وہاں داعش مخالف باغیوں کے ساتھ مل کر زمینی فوجی کارروائی پر غور کیا جانا چاہیے۔ میولت جاوسوگلو نے کہا ہے کہ فضائی حملے طاقت کا توازن بدل سکتے ہیں اور داعش کو پیش قدمی سے روک سکتے ہیں لیکن وہ خطے میں ان کا مکمل خاتمہ نہیں کر سکتے، اس لیے شام میں مشترکہ زمینی فوجی کارروائی سمیت تمام آپشنز پر غور کیا جانا چاہیے اور شامی حزب اختلاف (فری سیرین آرمی) کی مدد کرنی چاہیے۔

☆☆☆

24 اکتوبر 2014ء کی ایک اطلاع کے مطابق دولت اسلامیہ (داعش) کے جنگجو کرد فورسز (پیش مرگہ) سے شدید لڑائی کے بعد ترکی اور شام کی سرحد پر واقع کردوں کے مرکزی قصبے کوبانی میں داخل ہو گئے۔ داعش نے اسٹریٹیجک اہمیت کے حامل اس علاقے کا کئی ہفتوں سے محاصرہ کر رکھا ہے، جبکہ کوبانی کے گردونواح میں واقع کردوں کے متعدد دیہات پر جنگجو پہلے ہی قبضہ کر چکے ہیں۔ کوبانی کو داعش کے ہاتھوں سقوط سے بچانے کے لیے امریکی قیادت میں اتحادی ممالک کے جنگی طیارے جنگجوؤں پر کئی روز سے مسلسل حملے کرتے رہے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق کوبانی میں پہلی مرتبہ داخلے کے بعد کرد فورسز کے ساتھ لڑائی میں داعش کے 20 سے زائد جنگجو ہلاک ہوئے ہیں، جبکہ 30 سے زیادہ کرد فوجی بھی مارے گئے ہیں۔ شام کی صورتحال پر نظر رکھنے والی برطانوی تنظیم سیرین آبزرویٹری فار ہیومن رائٹس کے مطابق داعش نے جنوب میں واقع جنگی اہمیت کے حامل ایک پہاڑ مشت نور کی مشرقی اور مغربی دونوں سمتوں سے کوبانی کو حملوں کا نشانہ بنایا۔

اس سے قبل داعش نے پیش قدمی کرتے ہوئے اس پہاڑی پر قبضہ کر لیا تھا۔ تاہم ان پر امریکی جنگی طیارے مسلسل بمباری کر رہے تھے۔ تین ہفتوں کے محاصرے کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب داعش کے جنگجوؤں کو اس قصبے میں داخل ہونے میں کامیابی ملی۔ دریں اثناء شام کے شمالی شہر، الحسکہ میں کرد ملیشیا پیش مرگہ کی دو چوکیوں پر خودکش حملوں کے نتیجے میں کم از کم تیس افراد ہلاک ہو گئے۔ سیرین آبزرویٹری فار ہیومن رائٹس کے رامی عبدالرحمٰن

کے مطابق شہر کے مغربی داخلی مقام پر قائم کرد جنگجوؤں کی ان چوکیوں پر چند منٹ کے وقفے سے یکے بعد دیگرے خودکش حملے کیے گئے۔ دوسری طرف کوبانی کی طرف بڑھتے ہوئے داعش کے جنگجوؤں کو روکنے کے لیے ایک نوجوان کرد خاتون لڑاکا نے داعش کے ایک مورچے میں گھس کر خود کو دھماکے سے اڑا لیا، جس کے نتیجے میں متعدد جنگجو ہلاک ہو گئے۔ آبزرویٹری کے مطابق کسی کرد خاتون جنگجو کی جانب سے جنگ کے دوران خودکش حملے کا یہ پہلا واقعہ ہے۔ خاتون بمبار کی شناخت 20 سالہ دلار عرف ایران مرکان کے نام سے ظاہر کی گئی ہے اور اس کا تعلق شمال مغربی شام میں کردوں کے علاقے سے بتایا گیا ہے۔ وہ شامی کردوں کے مسلح گروپ YPG کی رکن تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ اس گروپ میں کرد خواتین کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ YPG نے ایک بیان میں کہا کہ ایران مرکان نے داعش کے درجنوں جنگجوؤں کو ہلاک کیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ YPG کے جانباز بھرپور مزاحمت کے لیے پرعزم ہیں۔

☆☆☆

اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں ہی سعودی وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل کی طرف سے ایک اہم مطالبہ سامنے آیا۔ سعودی وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل نے کہا ہے کہ دولت اسلامیہ (داعش) اور دیگر دہشت پسند تنظیموں کے خلاف جنگ دس سال تک جاری رہنی چاہیے۔ یہ بات انہوں نے گزشتہ ہفتے عراق کی صورتحال پر فرانس کے دارالحکومت پیرس میں ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ سعودی اخبار، عرب نیوز کے مطابق سعود الفیصل نے عالمی رہنماؤں کو خبردار کیا کہ اسلامک اسٹیٹ (داعش) کی طرف سے لاحق خطرہ اب عراق اور شام کی سرحدوں سے بھی باہر نکل چکا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم سمجھتے ہیں، آئی ایس کے خلاف مجوزہ بین الاقوامی جنگ کو دس سال تک جاری رہنا چاہیے تاکہ اس نفرت انگیز رجحان کا جڑ سے خاتمہ کیا جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا خطرہ بن چکا ہے جس کی زد میں ہر کوئی ہے، لہٰذا اس کا مقابلہ بھی سب کو مل کر کرنا

چاہیے۔

سعودی وزیر خارجہ نے اپنے خطاب میں زور دیا کہ شام میں داعش کے مضبوط ٹھکانوں اور زیر قبضہ علاقوں پر حملوں کی ضرورت ہے جہاں اس تنظیم نے جڑیں پکڑیں اور اس کے جنگجوؤں نے فوجی تربیت حاصل کی۔ سعود الفیصل کا یہ بھی کہنا تھا کہ ''آئی ایس کے جنگجوؤں کا مقابلہ کرنے کے لیے شامی اپوزیشن کے اعتدال پسند باغیوں کو ہر طرح کی مدد مہیا کی جائے۔'' قبل ازیں داعش کے خلاف فوجی کارروائی کے لیے امریکہ کی زیر قیادت تشکیل پانے والے اتحاد میں شامل تیس ممالک کی کانفرنس سے افتتاحی خطاب کرتے ہوئے فرانس کے صدر فرانسواں اولاند نے بھی اس خطرے سے نمٹنے کے لیے متحدہ بین الاقوامی کارروائی کا مطالبہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ (آئی ایس) ایک عالمی خطرہ ہے، اس لیے اس کے خلاف ردعمل بھی لازماً عالمی ہونا چاہیے۔ اس کانفرنس میں اہم یورپی ممالک، عالمی سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان، عراق کے پڑوسی اور خلیج تعاون کونسل (جی سی سی) میں شامل عرب ریاستوں کے وزرائے خارجہ شریک ہوئے۔ جبکہ ایران نے دعش کے خلاف اتحاد میں شامل ہونے کی امریکی پیش کش کو مسترد کر دیا۔

(گلف نیوز......10 اکتوبر 2014ء)

☆☆☆

اکتوبر 2014ء کو اس حوالے سے خصوصی اہمیت حاصل رہے گی کہ اس مہینے میں ''داعش'' کے خلاف امریکہ، یورپ، عرب اور ایران اتحاد نے جنم لیا۔ اکتوبر کی اطلاعات کے مطابق امریکہ نے شام میں ایرانی حمایت یافتہ بشار الاسد حکومت کے خلاف برسر پیکار جہادی تنظیم دولت اسلامیہ (آئی ایس آئی ایل) اور القاعدہ کے جنگجوؤں کے اہم ٹھکانوں پر الگ الگ مگر بیک وقت حملے کیے ہیں۔ امریکی حکام کے مطابق ان حملوں میں پانچ عرب ممالک بھی یا تو براہ راست شریک ہوئے، یا پھر انہوں نے حملوں کے لیے مدد فراہم کی۔ تاہم امریکیوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ کس قسم کی ''مدد'' تھی۔ ان حملوں میں القاعدہ کے

سینئر جنگجوؤں پر مشتمل، خراسان گروپ نامی ایک ایسے سیل کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے جس کے ارکان بم اور دیگر دھماکہ خیز آلات بنانے میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ رات کے وقت کیے گئے ان فضائی حملوں کے ذریعے مشرقی شام میں گروپ کے ہیڈکوارٹرز کو ہدف بنایا گیا۔

ایک رپورٹ کے مطابق یہ حملے حلب میں کیے گئے اور ان میں صرف امریکی جنگی طیاروں نے حصہ لیا۔ کہا جا رہا ہے کہ ان حملوں میں کم از کم 50 القاعدہ کے ارکان مارے گئے ہیں۔ جبکہ بچوں سمیت کئی عام شہریوں کی ہلاکت کی بھی اطلاعات ہیں۔ رپورٹ کے مطابق حملوں کا نشانہ بننے والے اہداف میں ٹریننگ کیمپس، گولا بارود اور بم بنانے کا ایک کارخانہ، ایک مواصلاتی تنصیب اور کمانڈ اینڈ کنٹرول کی عمارتیں شامل ہیں۔ داعش کے ٹھکانوں پر حملے رقبہ شہر اور شمالی شام کے دوسرے علاقوں میں کیے گئے حملوں سے پہلے شامی حکومت کو بھی مطلع کیا گیا تھا۔ امریکی آفیشلز کے حوالے سے خلیجی اخبار کی رپورٹ کے مطابق ان حملوں میں امریکہ کا ساتھ دینے والے عرب ممالک میں سعودی عرب، قطر، بحرین، اردن اور متحدہ عرب امارات شامل ہیں۔ آخرالذکر تین ممالک نے تصدیق کی ہے کہ وہ ان فوجی حملوں میں شامل تھے۔ متحدہ عرب امارات کی وزارت خارجہ کی طرف سے جاری کیے گئے بیان میں کہا گیا کہ یو اے ای کی جانب سے یہ پہلا فضائی حملہ تھا جو داعش کے خلاف کی جانے والی بین الاقوامی کوششوں کا حصہ تھا رپورٹ کے مطابق امریکی جنگی طیاروں نے مبینہ طور پر امریکہ اور مغربی مفادات پر حملوں کی منصوبہ بندی کرنے والے القاعدہ کے سابق ارکان پر مشتمل خراسان گروپ کو نشانہ بنانے کے لیے شام میں آٹھ حملے کیے ہیں۔ امریکی فوج کے کمانڈر جنرل مارٹن ڈیمپسی کا کہنا تھا کہ ہم یہ امر یقینی بنانا چاہتے تھے کہ داعش کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کے لیے کوئی بھی جگہ محفوظ نہیں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ داعش اور خراسان گروپ کے خلاف بیک وقت حملوں کا فیصلہ اس لیے کیا گیا، کیونکہ اگر پہلے صرف داعش کو نشانہ بنایا جاتا تو خراسان گروپ کے ارکان بچنے کے لیے

منتشر ہو سکتے تھے۔ دوسری جانب امریکی صدر باراک اوباما نے کہا کہ داعش کے خلاف اتحادیوں کی تعداد اس بات کا ثبوت ہے کہ اس لڑائی میں امریکہ تنہا نہیں ہے۔

☆☆☆

اسی مہینے میں ایران اور سعودی عرب کے درمیان موجود تلخیاں بھی ''داعش'' کی مشترکہ دشمنی میں کم ہوتی نظر آئیں۔ اطلاعات کے مطابق دہائیوں سے ایک دوسرے کے سخت نظریاتی اور سیاسی حریف سمجھے جانے مشرقِ وسطیٰ کے دو اہم ترین ممالک سعودی عرب اور ایران دیگر تمام اختلافات کو ایک طرف رکھتے ہوئے کم از کم ایک نکتے یعنی خطے میں ابھرنے والے اپنے ''مشترکہ دشمن'' دولت اسلامیہ عراق و شام (داعش) کے خلاف شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے ہیں۔

خلیجی اخبار کی رپورٹ کے مطابق دونوں ممالک کے وزرائے خارجہ نے اس حوالے سے گزشتہ ہفتے نیو یارک میں ملاقات کے دوران اہم مذاکرات کیے۔ اپنے ایرانی ہم منصب جواد ظریف سے ملاقات کے بعد سعودی وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل کا کہنا تھا کہ ہم اس بحران (داعش) کی نزاکت اور حساسیت سے پوری طرح آگاہ ہیں اور ہمیں اس موقع پر بھی ادراک ہے جو ہمارے آگے ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمیں یقین ہے کہ اس قیمتی موقع سے فائدہ اٹھتے ہوئے اور ماضی کی غلطیوں سے گریز کرتے ہوئے ہم اس بحران سے کامیابی کے ساتھ نمٹ سکتے ہیں۔ گزشتہ سال ایرانی صدر حسین روحانی کے عہدہ سنبھالنے کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان اعلیٰ سطح پر ہونے والا یہ پہلا براہ راست رابطہ تھا۔ ایرانی وزیر خارجہ کا کہنا تھا کہ مجھے اور میرے سعودی ہم منصب دونوں کو یقین ہے کہ ہماری یہ ملاقات ایران وسعودی عرب تعلقات کے نئے باب کا پہلا صفحہ ثابت ہوگی۔ جواد ظریف نے کہا کہ ہمیں امید ہے دونوں پڑوسی ملکوں کے تعلقات کا یہ نیا باب علاقائی اور عالمی امن و سلامتی کے قیام میں موثر ثابت ہوگا۔

اکتوبر 2014ء میں میں کچھ اہم پیشرفت اس طرح تھیں۔ شام و عراق میں حیرت انگیز

طور پر اچانک ابھر کر کے آنے والی جنگجو تنظیم "داعش" کو ایران نے تربیت فراہم کی ہے۔ یہ انکشاف شام میں بشار الاسد کی حکومت کے خلاف لڑنے والے باغیوں کے سب سے طاقتور گروپ احرار الشام کے مرحوم سربراہ شیخ حسن عبود نے ایک بم دھماکے میں گروپ کی تمام قیادت کے ساتھ ہلاکت سے محض چند گھنٹے قبل، مڈل ایسٹ مانیٹر نامی ایک آزاد میڈیا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے کیا تھا۔ مصر کے شورش زدہ شمالی صحرائی علاقے وادی سینا میں سکیورٹی فورسز کی ایک گاڑی سڑک کنارے نصب بم کا نشان بن گئی جس کے نتیجے میں چھ اہلکار ہلاک ہو گئے۔ مصری وزارت داخلہ کے مطابق سکیورٹی فورسز کا قافلہ العریش اور رفح کے درمیانی علاقے سے گزر رہا تھا کہ عسکریت پسندوں کی جانب سے سڑک کنارے نصب کیا گیا بم پھٹ گیا۔ دھماکے سے ایک گاڑی مکمل طور پر تباہ ہو گئی اور اس میں سوار چھ اہلکار ہلاک اور دو زخمی ہو گئے۔

☆☆☆

اکتوبر 2014ء کی سب سے اہم خبر کے مطابق امریکی پائلٹوں نے اسلحے کی کھیپ کردوں کے بجائے داعش کے جنگجوں کے علاقے پر گرادی اس حوالے سے عالمی خبر رساں ایجنسی اناطولیہ نے انکشاف کیا کہ امریکی پائلٹوں نے ترکی اور شام کی سرحد پر واقع کرد شہر کوبانی میں اسلحے کی کھیپ کردوں کے بجائے داعش کے زیر قبضہ علاقے میں ڈراپ کر دی جس پر داعش جنگجوؤں میں جوش وخروش پایا جاتا ہے۔ امریکی جریدے واشنگٹن پوسٹ نے اعلیٰ امریکی عسکری ذرائع کے حوالے سے لکھا ہے کہ امریکی جہازوں کی جانب سے گرایا جانے والا اسلحہ اور ایمونیشن کردوں کے بجائے داعش جنگجوؤں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ لیکن امریکی عسکری عہدیداروں نے اس معاملے کو غلطی سے تعبیر کیا ہے۔ جبکہ کرد فائٹرز نے بھی داعش جنگجوؤں کو اسلحہ کی فراہمی کو امریکی غلطی قرار دیا ہے۔ اعلیٰ کرد عسکری عہدیدار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا ہے کہ ایک کارگو امریکی جہاز کی مدد سے کوبانی کے اطراف میں جنگجوؤں کی پوزیشنوں پر 21 ٹن سے زیادہ ایمونیشن اور ادویات گرائی جانی تھیں، جن

میں ادویات، مارٹر گولے، دستی بم اور دیگر حساس آلات شامل تھے۔ لیکن اسلحے اور ادویات کی وہ کھیپ داعش جنگجوؤں کے علاقے میں گرا دی گئی انہوں نے بتایا کہ ابھی مزید اسی ٹن سے زیادہ اسلحہ اور ایمونیشن سے بھرے باکس گرانے ہیں۔ لیکن اسلحہ کی پہلی کھیپ غلط ہاتھوں میں چلے جانے کی خبروں نے امریکیوں کو سراسیمہ کر دیا ہے اور وہ مستقبل میں ایسی کسی بھی کارروائی کو مزید محفوظ بنانے یا زمینی راستوں سے کرد فائٹرز کی مدد کی پلاننگ کریں گے۔ واضح رہے کہ ایک ماہ قبل بھی عراقی پائلٹوں کے اناڑی پن کے سبب بغداد کے اطراف میں عراقی فوجیوں کو ہوائی جہازوں کی مدد سے پہنچایا جانے والا اسلحہ اور ایمونیشن داعش جنگجوؤں کے ٹھکانوں پر گرا دیا گیا تھا، جس سے داعش جنگجوؤں کی فوجی طاقت مزید مضبوط ہو گئی تھی۔

جرمن انٹیلی جنس کی ایک رپورٹ کے مطابق داعش جنگجوؤں کے حوالے سے نیوز پورٹل ''اعماق'' نے ایک ویڈیو جاری کی ہے جس میں داعش جنگجوؤں نے امریکی پائلٹوں کا ''شکریہ'' ادا کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کوبانی میں امریکی پائلٹوں نے اسلحہ اور ایمونیشن کی جو پیٹیاں گرائی ہیں وہ کرد جنگجوؤں کو ملنے کے بجائے داعش کے ہاتھ آنے کے بعد داعش نے کردوں پر دباؤ بڑھا دیا اور داعش کی طرف سے ''Thank-u انکل سام'' کے عنوان سے ایک فلم بھی جاری کی گئی ہے جس میں اس کی تفصیلات موجود ہیں جن میں بتایا گیا کہ امریکی جہازوں کی مدد سے گرایا جانے والا اسلحہ، ایمونیشن اور ادویات کی ایک بہت بڑی کھیپ انہیں مل گئی ہے جو کئی ہفتوں کی شدید جنگ کے لیے کافی ہوگی۔ واضح رہے کہ اسلحے کی یہ کھیپ بظاہر کوبانی میں کرد فائٹر کی پوزیشنوں پر گرائی گئی تھی لیکن نامعلوم وجوہات کی بناء پر یہ داعش جنگجوؤں کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ ادھر امریکی اسلحہ، ایمونیشن اور ادویات کی پیٹیاں داعش جنگجوؤں کو فراہم کیے جانے کی تردید کرتے ہوئے امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون نے ایک محتاط بیان میں وضاحت کی ہے کہ امریکی پائلٹوں کی جانب سے کوبانی میں گرایا جانے والا بیشتر اسلحہ کرد فائٹرز کو ہی ملا ہے۔ البتہ ایک آدھ پیٹیوں کے بارے میں کہا جاسکتا

ہے کہ یہ کرد جنگجوؤں کی پوزیشنوں کے قریب موجود بعض داعش جنگجوؤں کے ہاتھوں میں بھی پہنچا ہے۔لیکن امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون اس ضمن میں داعش جنگجوؤں کی جانب سے جاری کی جانے والی ویڈیو کا جائزہ لے رہا ہے اور اس کے بعد ہی حتمی طور پر کچھ کہا جا سکے گا۔ امریکی نیوز چینل این بی سی نے البتہ اس خبر کی تردید کی ہے۔

☆☆☆

نومبر 2014ء کے آغاز میں عراقی حکومت کے اس الزام نے ساری دنیا کو حیران کر دیا۔عراقی حکام نے دعویٰ کیا ہے کہ جنگجو تنظیم دولت اسلامیہ فی العراق والشام (داعش) نے لڑائی کے دوران عراقی سکیورٹی فورسز اور شیعہ ملیشیا کے خلاف کیمیائی ہتھیار استعمال کیے ہیں۔واشنگٹن انتظامیہ کا کہنا ہے کہ حکام اس معاملے کی چھان بین کر رہے ہیں۔الجزیرہ ٹی وی نے امریکی نیوز ایجنسی کے حوالے سے بتایا کہ عراقی حکام کا کہنا ہے کہ ''داعش'' نے لڑائی کے دوران ممنوعہ کلورین گیس استعمال کی ہے۔ان کے مطابق جنگجوؤں نے بلد اور دولوبیہ میں ستمبر کے اواخر میں جو میزائل داغے، وہ کلورین گیس سے لیس تھے۔ان مبینہ حملوں کے بعد درجنوں عراقی فوجیوں اور شیعہ ملیشیا کے ارکان نے ایسی طبی شکایات کا اظہار کیا جو کہ کلورین گیس کے سبب رونما ہوتی ہیں۔ان تمام کا بعدازاں ہسپتال میں علاج کرایا گیا۔

نومبر کے آغاز ہی میں جنرل جان ایلن نے جواب ریٹائرڈ لائف گزار رہے ہیں ''داعش'' کے خلاف ''سائبر وار'' ضروری قرار دے دی۔خبر کے مطابق مشرق وسطیٰ میں تیزی سے ابھرتی ہوئی جہادی تنظیم اسلامک اسٹیٹ آف عراق اینڈ سیریا (داعش) کے خلاف اتحادیوں کے فضائی حملوں کی نگرانی کرنے والے ریٹائرڈ امریکی جنرل جان ایلن نے خبردار کیا ہے کہ داعش کے خلاف اس وقت تک مکمل کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی جب تک اس کے خلاف انٹرنیٹ پر بھی جنگ نہ لڑی جائے۔انہوں نے کہا کہ داعش کے خلاف ''سائبر وار'' ضروری ہے کیونکہ یہ تنظیم انٹرنیٹ کے ذریعے لوگوں کو اپنی صفوں میں شامل کرتے ہوئے خود کو طاقتور بنا رہی ہے۔جنرل جان ایلن کا کہنا تھا کہ حقیقی معنوں میں

اسلامک اسٹیٹ کو شکست دینا صرف اسی صورت ممکن ہے کہ جب ہم اس کا انٹرنیٹ پر بھی مقابلہ کریں اور اس کی طرف سے نوجوانوں کو بھیجے جانے والے پیغامات کا راستہ روکیں۔ داعش کی جانب سے انٹرنیٹ کو اپنے پیغام کی ترویج کے اوزار کے طور پر استعمال کیے جانے پر اتحادی ممالک میں تشویش پائی جارہی ہے اور وہ اس کے سدباب کے لیے غور و خوض کر رہے ہیں۔ دوسری جانب امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون نے اعلان کیا ہے کہ عراق و شام میں داعش کے خلاف جاری جنگ کے یومیہ اخراجات کا حجم اب 8.3 ملین ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔ اس سے پہلے پنٹاگان کی جانب سے یہ اخراجات سات ملین ڈالر بتائے گئے تھے۔ امریکی خبر رساں ادارے نے ایک گمنام دفاعی افسر کے حوالے سے بتایا کہ ان اخراجات میں اضافے کی وجہ داعش کے خلاف حملوں اور دیگر کارروائیوں میں وسعت ہے۔ واضح رہے کہ امریکہ کی قیادت میں عراق و شام میں دولت اسلامیہ کے خلاف فضائی حملوں کا آغاز 8 اگست کو ہوا تھا۔

☆☆☆

10 نومبر 2014ء کے اخباری اطلاعات کے مطابق داعش نے پاکستان میں 5 ہزار افراد بھرتی کر لیے ہیں روزنامہ جہان پاکستان کی خبر ملاحظہ فرمائیں۔ سرگرمیوں کا مرکز بلوچستان ہوگا، کراچی میں 200 سے زائد کارندوں کی شمولیت، داعش کے پاکستان میں پنجے، 15 ہزار کارندوں کی بھرتی

کراچی (رپورٹ: ذیشان صدیقی) بین الاقوامی دہشت گرد تنظیم دولت اسلامیہ (داعش) نے پاکستان میں پنجے گاڑ لیے، ملک بھر میں کالعدم تنظیموں کے 15 ہزار کارندوں نے داعش میں شمولیت اختیار کر لی ہے جبکہ کراچی میں کالعدم تنظیموں کے 200 سے زائد کارندے شدت پسند تنظیم کا حصہ بن چکے ہیں، تنظیم نے عسکری کارروائیوں کا مرکز بلوچستان میں قائم کر دیا گیا ہے جبکہ کراچی میں رابطہ آفس منگھوپیر میں قائم کر دیا گیا ہے شدت پسند تنظیم کا پہلا ہدف سیکورٹی ادارے اور ان کے اہلکار ہوں گے۔

تفصیلات کے مطابق کراچی میں بین الاقوامی دہشت گرد تنظیم ''داعش'' کے داخلے کے بعد حساس ادارے کی جانب سے بنائے جانے والے خصوصی ڈیسک نے اپنی مفصل رپورٹ حکام کو ارسال کر دی ہے جس کے مطابق داعش کی تمام عسکری کارروائیوں کا مرکز بلوچستان میں قائم کیا گیا ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ اس حوالے سے بلوچستان میں ایک دفتر اور ٹیم بھی بنائی گئی ہے جبکہ کراچی میں داعش کو منظم کرنے اور نیٹ ورک کو وسیع کرنے کے لیے منگھوپیر میں ایک مکان میں رابطہ دفتر بھی قائم کیا گیا ہے جس میں تمام معاملات کو کالعدم تحریک طالبان کے منحرف کانڈر شاہد اللہ شاہد کے حامی دیکھ رہے ہیں، داعش نے شہر میں موجود کالعدم تنظیموں کو شمولیت کی دعوت بھی دی ہے جبکہ کالعدم تنظیموں کے اہم کمانڈر ذاتی مفادات کے لیے داعش میں شمولیت اختیار کر سکتے ہیں ذرائع نے دعوی کیا کہ ملک بھر میں داعش کی افرادی قوت اس وقت پندرہ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ ملکی سلامتی کے ادارے اور اہلکار پہلا ہدف ہوں گے۔ دوسری جانب عسکری کارروائیوں کے لیے بھاری فنڈ کے لیے بڑی ڈکیتی سمیت اغوا برائے تاوان کی وارداتیں کی جائیں گی جبکہ بھتہ وصولی کا دائرہ وسیع کیا جائے گا۔ غیر ملکی فنڈ کے حصول کے لیے ہنڈی مافیا کو بھی استعمال کیا جائے گا۔ حساس ادارے نے شہر میں داعش کی سرگرمی انتہائی خطرناک قرار دیتے ہوئے فوری کارروائی کی سفارش کی ہے۔

یہ دو ماہ کا وہ مختصر سا خاکہ ہے جو یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ یہ تنظیم کتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اور منتشر مسلم قوتیں جو اپنی نااہلی، نالائقی اور بدبختی کی وجہ سے مغرب کی محتاج ہو چکی ہیں کس طرح اپنی دولت ان ممالک کے قدموں میں ڈھیر کر کے اپنے ہی شہریوں پر بمباری بھی کروا رہے ہیں۔

☆☆☆

تازہ ترین صورت حال کیا ہے؟

داعش اور القاعدہ کے درمیان اتحاد یا کم از کم اشتراک کے حوالے سے جاری مذاکرات ناکام ہوگئے ہیں۔ القاعدہ یمن کے رہنما حارث بن غازی النصاری کی جانب سے جاری کردہ بیان میں داعش کو عرب فتنہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر داعش کی روش تبدیل نہ ہوئی تو افریقہ کے جہادی گروپوں اور جبہۃ النصرہ کے ساتھ داعش کی لڑائی شروع ہوسکتی ہے۔ جبکہ پاکستان میں جنداللہ کے کے ترجمان نے داعش کی بیعت کا اعلان کردیا ہے۔ اس کے علاوہ تحریک طالبان پاکستان کے چار کمانڈر بھی داعش میں شمولیت اختیار کر چکے ہیں۔ جبکہ افغان طالبان کے سربراہ ملاعمر داعش کے حوالے سے خاموش ہیں، مگر انہوں نے واضح کردیا ہے کہ افغان سرزمین کے باہر ان کا کوئی ایجنڈا نہیں ہے۔ دوسری جانب چیچن اور ازبک عسکریت پسند وزیرستان سے نکالے جانے کے بعد داعش میں پناہ ڈھونڈنے کی خاطر عراق کا رخ کررہے ہیں۔

القاعدہ اور داعش کے درمیان مذاکرات کئی ہفتوں سے جاری تھے اور فریقین نے ایک فارمولا ترتیب دیا تھا جس کے تحت دونوں کے درمیان باعث نزاع بننے والے امور کو ڈیڑھ برس کے لیے التوا میں ڈال دیا جائے اور اس ڈیڑھ برس کی مدت کے لیے ایک شوریٰ بنادی جائے جو معاملات کو چلائے اور دنیا بھر میں اختلاف اور تصادم سے بچا جائے۔ مگر یہ

مذاکرات کامیابی کی مبارکبادوں کے باوجود 21 نومبر کو اس وقت ختم ہو گئے جب القاعدہ یمن کے رہنما حارث بن غازی النصاری نے القاعدہ العرب کے سربراہ کی مرضی سے بیان جاری کر دیا جس میں داعش کو عرب فتنہ قرار دے کر مسترد کر دیا گیا۔ یہ ویڈیو بیان جو انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ اس میں حارث بن النصاری نے کہا ہے کہ داعش نے جس طرح کی خلافت قائم کی، اس سے حیرت ہوئی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ داعش کے جہادی ہمارے بھائی ہیں، مگر ان کی قیادت کا وطیرہ اگر تسلیم کر لیا جائے تو القاعدہ کی قیادت کا دامن داغدار ہوتا دکھائی دیتا ہے، لہٰذا ان سے کوئی تعلق قائم نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر داعش کی روش تبدیل نہ ہوئی تو خطرہ ہے کہ افریقہ کے جہادی گروپوں اور جبتہ النصرہ کے ساتھ داعش کی لڑائی شروع ہو سکتی ہے۔ جو ایک بدقسمتی ہو گی۔ دوسری جانب داعش کا الزام ہے کہ القاعدہ اپنے بانی اسامہ بن لادن کا طریقہ چھوڑ چکی ہے۔

داعش کے حوالے سے عسکری گروپوں میں ایک واضح تقسیم ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ جہاں اس کے حامی گروپوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے وہیں مخالف گروپ بھی منظم ہو رہے ہیں اور اس کے ساتھ داعش کی ایک فرقہ وارانہ شناخت بھی سامنے آ رہی ہے۔ جبکہ داعش کے امیر ابوبکر البغدادی کی شخصیت خود مشکوک ہے اور ان کی جانب سے جن لوگوں کو قیادت سونپی جا رہی ہے، ان کے حوالے سے مسلم عسکری حلقوں میں یکسوئی نہیں پائی جاتی۔ داعش کے حامیوں اور اتحادیوں کو دیکھا جائے تو عراق میں 1999ء میں قائم ہونے والی جماعتہ التوحید والجہاد کو اس کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے، یہ تنظیم 2004ء میں ''قیادت الجہاد فی البلاد رافضین'' کا نام اختیار کر کے القاعدہ کی اتحادی بن گئی اور 2006ء میں دیگر گروپ جن میں جیش اہل سنہ والجماعت بھی شامل تھی، جس کے اہم ذمہ داران میں ابوبکر البغدادی شامل تھے۔ ان پر مشتمل مجاہدین شوریٰ کونسل بنی جس نے بعد میں دولت اسلامیہ عراق کا نام اختیار کیا۔ پھر جب ابوبکر البغدادی نے شام میں کارروائیاں شروع کیں تو دولت اسلامیہ عراق، دولت اسلامیہ عراق وشام (داعش) بن گئی۔ 2014ء میں اس نے

پھر نام بدل کر دولت اسلامیہ رکھ لیا ہے اور پوری امت کو اس خلافت پر بیعت کا "حکم" بھی جاری کر دیا ہے۔ اب تک اطلاعات کے مطابق عراق کی انصار الاسلام، الجزائر کی جند الخلافہ، لیبیا کی شوریٰ کونسل آف اسلامک یوتھ، مصر کے علاقے سینائی کی انصار البیت المقدس اور پاکستان کی جنداللہ داعش کی اتحادی بن چکی ہیں، یہ تمام تنظیمیں اپنے وجود کے لحاظ سے چھوٹے گروپس ہیں اور ان کے عسکریوں کی تعداد ڈبل فگر سے زیادہ نہیں۔ اس کے علاوہ ابوعمر الشیشان کی قیادت میں چیچن، ترکستان کی حزب اسلامی، ایسٹ ترکستان اسلامک موومنٹ اور بوکو حرام بھی داعش کی حمایت کا اعلان کر چکی ہیں۔ داعش نے افغانستان کے حوالے سے جس شخص عبدالرحیم کو امیر مقرر کیا ہے وہ بھی ابوبکر بغدادی کی طرح امریکی قید سے رہائی کے بعد جہادی بنا ہے۔ اس نے بھی امریکی جیل سے رہائی کے بعد ایک کتاب لکھی، جس میں ہر اس شخص کو غدار قرار دیا جس کا سوویت یونین سے جنگ میں امریکہ کے خلاف مزاحمت میں کوئی کردار تھا۔ اس کتاب میں عبدالرحیم نے خود تسلیم کیا ہے کہ اس کا عسکریت پسندی سے کوئی تعلق نہیں مگر وہ کنڑ کے شیخ جمیل الرحمٰن کے میڈیا سیل میں کام کرتا تھا۔ اب اچانک اسے داعش افغانستان کا امیر مقرر کر دینا بہت سے سوالوں کو جنم دے رہا ہے۔

دوسری جانب داعش کے مخالفین کو دیکھا جائے تو ان میں چھوٹے گروپوں سے زیادہ بڑی تنظیمیں ہیں، جن میں سرفہرست القاعدہ ہے۔ جبکہ شام کی جبتہ النصرہ، فری سیرین آرمی، اسلامک موومنٹ شام اور صومالیہ کی الشباب شامل ہیں۔ داعش نے اسلامک فرنٹ شام اور فری سیرین آرمی کو جولائی 2013ء سے اب تک بہت نقصان پہنچایا ہے۔ نہ صرف یہ کہ فری سیرین آرمی کا کمانڈر مار ڈالا بلکہ ان کے ہیڈکوارٹرز بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ داعش نے احرار الشام نامی تنظیم کے کمانڈر کو بھی قتل کیا۔ اپنے زیر قبضہ علاقے میں ہر اس قابل ذکر شخصیت کو قتل کر دیا جاتا ہے جو ابوبکر البغدادی کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتا۔

شام سے افغانستان تک داعش کی ذمہ داریاں صرف ان لوگوں کو تفویض کی جاری ہیں

جو اسلام کے معروف طور پر کسی بھی فقہ کو نہیں مانتے۔ یہاں تک کہ اہل حدیث مکتبہ فکر بھی داعش کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ ابو بکر البغدادی سے لے کر افغانستان کے امیر عبدالرحیم مسلم دوست تک کے، انٹرنیٹ پر موجود عقائد کو دیکھا جائے تو ان میں کوئی اختلاف نہیں، یہ سب لوگ ایک ایسے طرز فکر کی ترجمانی کر رہے ہیں جسے تمام دینی قیادت "تکفیری" قرار دے رہی ہے۔ یہاں تک کہ خود القاعدہ قیادت میں بھی انہیں اس نام سے پکارا جا رہا ہے۔

پاکستانی اور افغانستان کے عسکریت پسندوں کی اکثریت میں داعش کی بیعت کرنے کی خواہش دبی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ چونکہ داعش اہل تشیع کے خلاف ہے، لہٰذا پاکستان کے فرقہ وارانہ گروپ تیزی سے اس کے قریب جا سکتے ہیں۔ مگر داعش کی نظریاتی اپروچ کے سبب ابھی تک صرف جنداللہ نے اس کی حمایت کا اعلان کیا ہے یا چار افراد نے انفرادی حیثیت میں داعش کے ساتھ جانے کی ہامی بھری ہے۔ یہاں تک لشکر جھنگوی کا تعلق ہے جو پاکستان میں بڑا شیعہ مخالف گروپ ہے، جس کے متعلق پہلے یہ دعویٰ کیا جا رہا تھا کہ وہ "داعش" کے ساتھ مل چکا ہے۔ اس گروپ کا بھی بڑا حصہ اس اتحاد سے گریزاں دکھائی دے رہا ہے۔

پاکستان کے علاوہ اگر افغانستان کا جائزہ لیا جائے تو وہاں داعش نام کا کوئی عنصر دکھائی نہیں دیتا اور اگر کوئی تھا بھی تو عبدالرحیم کے تقرر کے بعد وہ پیچھے ہٹ گیا ہے۔ دوسری جانب افغان طالبان کے سربراہ ملا عمر نے اس معاملے پر نہ صرف خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے ذمہ داران کو بھی خاموشی کا حکم دے رکھا ہے۔ مگر دوسری جانب وہ خود اور ان کے ذمہ داران دوٹوک الفاظ میں واضح کر رہے ہیں کہ افغان سرحدوں کے اندر غیر ملکی تسلط کے خلاف جنگ کے سوا ان کا کوئی ایجنڈا نہیں ہے۔ افغان شوریٰ کے ایک ذمہ دار نے بتایا کہ یہی سبب ہے کہ ملا عمر نے اپنی سابق حکومت کو خلافت نہیں امارات قرار دیا تھا اور وہ اب بھی خود کو امارت اسلامی کہتے ہیں، خلافت نہیں۔ پاکستان میں میڈیا کی حد تک تو داعش آ چکی ہے، مگر حقیقت صرف اتنی ہے کہ پشاور میں جون میں چند پمفلٹ تقسیم ہوئے، لاہور میں

وال چاکنگ ہوئی، کراچی کی کچھ دیواروں پر اور کوئٹہ میں داعش کا نام لکھا دکھائی دیا۔ جبکہ جند اللہ نے داعش میں اپنی شمولیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس کے علاوہ طالبان کے تمام دھڑے خود کو داعش سے دور رکھے ہوئے ہیں جن میں ٹی ٹی پی، جماعت احرار، پنجابی طالبان بھی شامل ہیں۔ ذرائع کے بقول داعش کا ساتھ دینے پر ان کی اپنی حیثیت ختم ہی نہیں ہوگی بلکہ انہیں ملا عمر کے خلاف بھی کھڑا ہونا پڑے گا۔ اور ایسا کرنے پر ان کے اپنے کارکن ان کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔ صرف ایک ایج داعش کو حاصل ہے کہ وہ ایک دولت مند عسکری گروپ ہے اور افغانی اور پاکستانی طالبان کی پیسہ بہت بڑی کمزوری ہے۔

انٹیلی جنس ذرائع کا دعویٰ ہے کہ گزشتہ دنوں دس سے زائد تھریٹس جاری ہوئے ہیں، مگر انٹیلی جنس اداروں کے پاس ابھی داعش کے حوالے سے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں۔ البتہ امریکی اداروں کی فنڈنگ سے چلنے والی مختلف ویب سائٹس اور ایرانی اثر و رسوخ میں اضافے کے لیے کام کرنے والے نیٹ کے اخبارات میں پاکستان میں داعش کے لشکر نظر آ رہے ہیں۔ ایک ذریعے کے مطابق انٹیلی جنس تھریٹس کا سورس بھی ان امریکی و ایرانی انفارمیشن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تاہم اس کے باوجود قومی سلامتی کے ادارے اس خطرہ کو کم قرار نہیں دے رہے اور اسے مستقبل کے ایک خطرے کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔

☆☆☆

داعش کا اعلان خلافت اور حقائق

17 سے 20 نومبر 2014ء تک 4 اقساط میں روزنامہ "جہان پاکستان" میں شائع ہونے والے مسرور اعظم فرخ کے اس فکر انگیز مضمون میں بعض ایسے اہم سوالات اٹھائے گئے ہیں جن کی حساسیت سے انکار ممکن نہیں۔ اس مضمون کا مطالعہ تصور کا دوسرا رخ بھی دکھا رہا ہے۔

☆☆☆

دولت اسلامیہ عراق و شام (داعش) یا اسلامی اسٹیٹ (IS) اپنی نوعیت اور اصلیت میں کیا ہے اس کی حقیقت تا حال ابھی اس قدر واضح نہیں ہے کہ دوٹوک انداز میں کچھ کہا جا سکے۔ جو کچھ معلوم ہوسکا ہے وہ اس قدر کافی نہیں ہے اس کی بنیاد پر کوئی حتمی رائے قائم کر لی جائے۔ لیکن اس کے باوجود جو رائے قائم کر لی گئی ہے وہ حقائق کو جاننے کی تکنیکی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔ لہٰذا جس قدر اس کو غلط کہنا درست نہیں اسی قدر اس کو صحیح کہنا بھی درست نہیں۔ کچھ بنیادی ضرورتوں کو پورا کیے بغیر آئی ایس والوں کو فوری ایک دہشت گرد تنظیم قرار نہ دینے کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ یہ ان کی حمایت ہے یا ان کے لیے کوئی نرم گوشہ رکھنے کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ امام کعبہ نے اگر اپنے خطبہ حج میں آئی ایس کو خوراج عورتوں کی عزتوں کو پامال کرنے والے اور بچوں اور بے گناہ مسلمانوں کو قتل کرنے والے

دہشت گردوں کی ایک تنظیم قرار دیا ہے تو یہ بعینہ وہی الزامات ہیں جو امریکہ اور اس کے حواری اب تک اس تنظیم یا ریاست پر لگاتے آرہے ہیں۔ گویا امام کعبہ اور امت مسلمہ کے پاس آئی ایس والوں کو دہشتگرد، زانی، قاتل اور خوارج سمجھنے کا واحد ذریعہ مغربی میڈیا ہے۔ اگرچہ مغربی میڈیا کو غلط قرار دینے اور اس ضمن میں جھوٹے پروپیگنڈے کو فروغ دینے کی متعدد وجوہات بیان کی جاسکتی ہیں اور مغربی میڈیا کو متعصب قرار دیا جاسکتا ہے لیکن امت مسلمہ میں امام کعبہ کا اس حوالے سے بیان ایک وزن اور الگ اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ امام کعبہ کے الفاظ شرعی پس منظر میں سنے اور سمجھے جائیں گے۔ جب شریعت کی بات ہوگی تو محض امام کعبہ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ شریعت نہیں کہلائیں گے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ ان کے الفاظ شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

ہم نے 21ویں صدی کے اس ڈیڑھ عشرے کے عرصے میں مغربی میڈیا کے ذریعے القاعدہ، اسامہ بن لادن اور طالبان کو سمجھنے کی کوشش کی اور آج تک نہیں سمجھ پائے، کچھ رازوں سے آج تک پردہ اٹھ ہی نہیں سکا۔ ہم نے افغان طالبان کو کرکٹ پر پابندی لگانے، سی ڈیز کی دکانیں جلانے اور داڑھی مونڈنے والے حجاموں کی دکانیں بند کروانے جیسے اقدامات کے ذریعے ہی سمجھا لیکن ہم نے افغان طالبان کو اس مغربی میڈیا کی صحافی خاتون کے ذریعے سمجھنے کی کوشش نہیں کی جو افغان طالبان کی قید میں ایک عرصے رہ کر جب رہائی پاکر واپس گئی (غالباً مسلمان بھی ہوگئی تھی) اور اس نے افغان طالبان کی سچائی صداقت اور کردار پر کتاب لکھی، جسے یورپ و امریکہ میں عوام تک پہنچنے ہی نہیں دیا گیا اور اس کے ایڈیشن ضبط کر لیے گئے۔ آج ہمیں مغربی میڈیا داعش اور اسلامی اسٹیٹ والوں کے بارے میں بتا رہا ہے کہ وہ زانی ہیں، عورتوں اور بچوں کو ذبح کرنے والے سنگ دل جاہل اور دہشت گرد ہیں۔ تو کیا ہم اس سب پر اس لیے یقین کرلیں کہ امام کعبہ نے بھی اس کی تائید کردی ہے؟ اور یہ بھول جائیں کہ یہ سب کچھ تو امریکی افواج مسلم ممالک میں کرتی آرہی ہیں؟ امتہ مسلمہ کا ایک قابل ذکر حصہ داعش یا اسلامی اسٹیٹ والوں کے بارے میں

نرم گوشہ نہ رکھنے کے باوجود اب ہر اس چیز کو من وعن ماننے کے لیے تیار نہیں جس کی تصویر کشی اور رنگ آمیزی مغربی میڈیا نے کی ہو۔

داعش /اسلامی اسٹیٹ والوں کے بارے میں حقائق جاننا اب پہلی ضرورت بھی نہیں ہے۔ پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ امت مسلمہ میں اسلامی ریاست یا خلافت کے قیام جیسی کسی بھی کوشش کے حقائق اور صداقت کو جاننے کی اہلیت کون رکھتا ہے؟ کسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسی کوششوں کو ان کے حقیقی پس منظر و پیش منظر میں دیکھے، سمجھے اور اپنی غیر جانبدارانہ رائے کا اظہار کرے۔ امام کعبہ نے جو کچھ کہا وہ سعودی حکومت کا موقف ہے، سعودی حکومت نے جو کچھ کہا وہ بادشاہتوں پر مبنی مشرق وسطیٰ کے ان مسلم ممالک کا موقف جنہیں امریکہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ گویا امریکہ اس کے حواری اور سعودی عرب سمیت خلیجی ممالک کی بادشاہتوں کا اسلامی اسٹیٹ والوں کے خلاف ایک ہی موقف ہے۔ جس کا ایک مشترکہ مقصد واضح ہے کہ موجودہ بادشاہتیں قائم رہیں۔ ان بادشاہتوں کو قائم رہنے دینے کے معاملے میں امریکہ کے اپنے مقاصد و مفادات ہیں اور ان بادشاہتوں کے اپنے مقاصد و مفادات۔ امت مسلمہ کا ایک قابل لحاظ حصہ ان بادشاہتوں کو جمہوریت کی سند کے طور پر نہیں دیکھتا بلکہ خلافت کی سند کے طور پر دیکھتا ہے۔ اس طبقے کے نزدیک یہ بادشاہتیں جمہوریت کے راستے میں رکاوٹ ہوں یا نہ ہوں البتہ ان کے نزدیک یہ خلافت کے راستے میں بہر حال رکاوٹ ہیں۔ اس طبقے کا یہ خیال بھی ہے کہ ان ان بادشاہتوں کو نہ تو خلافت گوارا ہے اور نہ ہی جمہوریت کیونکہ جس طرح یہ خلافت کے قیام کو اپنے وجود کے لیے خطرہ سمجھتیں ہیں اس طرح یہ جمہوریت کو بھی اپنے وجود کے لیے خطرہ سمجھتی ہیں۔ اگر یہ ایک جانب خلافت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تو مصر کی جمہوری حکومت سے بھی انہیں یہی خطرہ تھا کہ اگر کسی قسم کی بیداری جمہوریت کے نام سے جڑ پکڑ گئی تو اس کے اثرات سے یہ بادشاہتیں بھی محفوظ نہیں رہیں گی۔ اس لیے امریکہ کو تو خلافت کا مخالف دیگر کئی حوالوں سے بھی ہونا ہی تھا لیکن وہ جمہوریت کا علمبردار چمپئن ہونے کے باوجود مصر میں جمہوریت کا

حامی نہیں ہے اس لیے اس نے آئیں بائیں شائیں مار کے مصر کی فوجی ڈکیٹیٹرشپ کو قبول کر ہی لیا ہے۔

اب امریکہ اپنے حواریوں سمیت بادشاہتوں کو ساتھ ملا کر آئی ایس والوں سے برسر جنگ ہے تو اس کا واضح مطلب ہے کہ امریکہ اور مشرق وسطیٰ کی بادشاہتیں ایک فریق ہے اور آئی ایس والے دوسرا فریق۔ برسر جنگ فریقین جنگ پر آمادہ ہی اس وقت ہوتے ہیں جب دونوں خود کو حق پر سمجھ لیتے ہیں۔ لہٰذا فریقین میں سے کسی کی حق پر ہونے کا فیصلہ کوئی تیسری قوت کرتی ہے اور تیسری قوت کا مشاہدات اور جانچ پڑتال کے بارے میں اپنا طریقہ کار ہو سکتا ہے جس سے فریقن کا ہر حال میں متفق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اگرچہ معاملہ مجموعی طور پر کئی حوالوں سے پیچیدہ ہے اور ان پہلوؤں کا جائزہ بھی آگے چل کر لیا جائے گا لیکن سردست ایک مختلف پہلو سے صورتحال کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے فرض کیجئے امریکہ اور مسلم بادشاہتیں اپنے ان الزامات میں سچی ہیں کہ آئی ایس والے زانی، خوارج، عزتوں کے لٹیرے اور بچوں اور عورتوں کے قاتل ہیں اور اس طرح کی کسی رعایت کے مستحق نہیں کہ انہیں خلافت کے قیام کا سچا علمبردار سمجھا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی طرح ثابت ہو جائے کہ وہ کردار اور کاز کے لحاظ سے سچے ہیں تو کیا انہیں خلافت کے قیام کی اجازت دے دی جائے گی۔ چلیے آئی ایس والوں کو قطعی چھوڑ کر الگ کر دیجئے اور یہ دیکھیے کہ اگر مستقبل میں کبھی بھی یا کہیں بھی خلافت کے قیام کے سچے علمبردار اٹھ کھڑے ہوئے تو یہ مسلم بادشاہتیں اسے قبول کر لیں گی؟ پہلے اس بات کا تعین کیا جائے کہ مسلم ممالک اور خلافت ایک دوسرے کے مستقل مخالف فریق ہیں یا کسی مقام یا درجے پر جا کر یہ نظام خلافت کے سامنے جھکنے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟ اس حوالے سے یہ جاننے کی ضرورت ہوگی کہ مسلم بادشاہتوں کا مستقل موقف کیا ہے؟

ممکن ہے آئی ایس والے واقعی غلط اور دہشت گرد ہوں لیکن اس مفروضے سے اس سوال کا جواب جاننے کی ضرورت ختم نہیں ہو جاتی کہ جو مسلم ممالک آئی ایس والوں کے

اعلان خلافت کو اس لیے قبول نہیں کرتے کہ وہ دہشت گرد ہیں تو بتایا جائے کہ مسلم ممالک خلافت کے کون سے اور کیسے اعلان کو صحیح سمجھ کر قبول کر سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت کو لازم کرتا ہے۔ پہلی یہ کہ مسلم بادشاہتوں سمیت تمام ممالک یا ان میں سے کچھ ممالک یہ موقف اختیار کریں کہ ہمیں خلافت کے قیام پر کوئی اعتراض نہیں یہ جب بھی جہاں بھی صحیح طریقے سے صحیح لوگوں کے ذریعے قائم ہوگی تو ہم اسے قبول کرلیں گے۔ اس صورت میں یہ بھی واضح کرنا ہوگا کہ صحیح طریقے اور صحیح لوگوں کی ان کے نزدیک کیا تعریف ہے اور یہ کہ اس خلافت کو قبول کر لینے کی عملی شکل ان کے نزدیک کیا ہوگی۔

دوسری شکل اس سوال کے جواب کی یہ ہوسکتی ہے کہ یہ موقف اختیار کیا جائے کہ خلافت کے قیام کی اس دور جدید میں ضرورت نہیں رہی۔ یہ نظام اسی عہد کے لیے سازگار تھا جب یہ سیاسی ادارہ اپنی کسی نہ کسی شکل میں قائم تھا۔ اب ہم قومی حکومتوں کے عہد میں رہ رہے ہیں اب ان قومی ریاستوں کو خلافت کے نظام کے تحت یکجا کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا جو کچھ جس طرح چل رہا ہے درست ہے اور جائز ہے جسے کسی طرح غیر شرعی یا غیر اسلامی نہیں کہا جاسکتا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسا موقف ہے جس پر تمام اسلامی ممالک اگر خفیہ طور پر متفق بھی ہوں تو اعلانیہ اس کا کبھی اظہار نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

(حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو مٹنے ہی والا ہے)(بنی اسرائیل:81)

کے قرآنی حکم کے خلاف ہے۔ خلافت کا قیام ناگزیر ہے جسے قیام سے پہلے ہر حال میں قائم ہوکر ہی رہنا ہے۔ طاغوتی قوتیں اسے موخر تو شاید کرسکیں لیکن اس کے قیام کے امکان کو ہمیشہ کے لیے ختم نہیں کرسکتیں۔ لہٰذا جب بھی جہاں بھی آئی ایس والے ہوں یا کوئی اور جنگجو گروپ اس مقصد کو لے کر اٹھے تو وہ اپنے اسی موقف کا اعلان کرے گا کہ خلافت کے قیام کے لیے اسے بیرونی طاغوت کے ساتھ نبٹنے سے پہلے اندر کے طاغوت سے بھی نبٹنا ہو

گا۔ یہ موقف درست ہو یا غلط اس بحث میں پڑے بغیر جو چیز واضح نظر آ رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کا مستقبل خون خون ہے۔ لیکن اہم سوال یہ ہے کہ امریکہ اور مسلم ممالک کے حکمران خلافت کے قیام کو روکنے میں ایک کیوں ہیں؟ کیا کفر اور اسلام کسی ایسے مقصد پر بھی اکٹھے ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والا ہو؟

☆☆☆

داعش/آئی ایس کے پس منظر میں خلافت کے قیام کے حوالے سے کچھ اصولی اور تکنیکی پہلوؤں پر بحث کی گئی۔ یہ اصولی مباحث اس قدر کثیر اطراف سے ہیں کہ آئی ایس کے کردار پر ابھی تک براہ راست بات کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی۔ خلافت کا قیام داعش سے ہٹ کر بھی موضوع کے لحاظ سے اپنی ایک الگ حیثیت اور اہمیت رکھتا ہے۔ پوری مسلم دنیا میں اب کسی نہ کسی شکل میں اس موضوع پر بات ہو رہی ہے۔ خلافت کے ادارے کے قیام کی جدوجہد پر یقین رکھنے والوں کا خیال ہے کہ کمیونزم کی ناکامی کے بعد اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف مغرب ہی میں اٹھنے والی بیداری کی اس لہر کے بعد جو جلد یا بدیر بالآخر سرمایہ دارانہ نظام کو بھی ختم کر دے گی تو دنیا کو کسی نئے نظام کی ضرورت ہوگی ان کے خیال میں دنیا کو جبر و استعداد کے تمام نظاموں سے نجات دلانے کیلئے خلافت کے قیام کیلئے یہ مناسب ترین وقت ہے۔

خلافت کے قیام کی جانب بڑھتے ہوئے رجحان کی وجوہات میں ایک نمایاں وجہ یہ ہے کہ مسلم حکمرانوں اور عوام کے درمیان تیزی سے نفرت اور فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ استحصال کا شکار عوام غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے ہیں اور حکمران امیر سے امیر تر۔ دوسری جانب یہ نفرت اس لیے بھی بڑھ رہی ہے کہ مسلم حکمران امریکہ ہی کے ہاتھوں ذلیل و خوار بھی ہو رہے ہیں اور پھر اسی کے بھاڑے کے ٹٹو بھی بنے ہوئے ہیں۔ امریکہ اور مسلم حکمرانوں کے خلاف نفرت نے مسلم ممالک کے خاص طور پر نوجوانوں کو بہت مشتعل کیا ہے۔ اس نفرت کے اظہار کیلئے کوئی موثر طریقہ یا باقاعدہ پلیٹ فارم موجود نہ ہونے کی وجہ

سے جگہ جگہ جنگجو گروپ مختلف ناموں سے ابھر کر سامنے آ رہے ہیں۔ نوجوانوں میں نفرت کی یہ لہر اب امریکہ میں بھی امریکی نوجوان نسل میں دیکھی جا سکتی ہے ابھی حال ہی میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں ہونے والے ایک سروے کے مطابق امریکی نوجوانوں نے امریکی حکومت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ خود کو دنیا میں امن کا ٹھیکیدار سمجھنے والا امریکہ دنیا کے امن کیلئے داعش سے بڑا خطرہ ہے امریکی نوجوانوں کی امریکی حکمرانوں کیخلاف اس نفرت کو اگر وال سٹریٹ سے اٹھنے والی لہر کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ امریکی حکمرانوں کو مستقبل میں ایسی تحریکوں کا سامنا ہو سکتا ہے جس طرح کی تحریکوں کا اس وقت مسلم حکمرانوں کو سامنا ہے۔

اس پس منظر میں امریکہ اور خلیجی ریاستوں سمیت سعودی عرب اور ترکی آئی ایس کے خلاف ایک بڑی جنگ لڑنے جا رہے ہیں جس کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے۔ اس صورت حال میں داعش یا اسلامی اسٹیٹ والوں کا صحیح یا غلط ہونا پس منظر میں چلا جاتا ہے اور جو چیز سامنے نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ افغانستان، عراق کی تباہی اور لاکھوں انسانوں کی ہلاکت و بربادی کے بعد لیبیا، لبنان اور شام کے تلپٹ ہو جانے کے بعد یہ لاکھوں مسلمانوں کی ہلاکت کا سفر آگے کی جانب بڑھے گا، مسلم خطے تباہ و برباد ہو جائیں گے اور مسلمان ملکوں کی کمزوری انہیں اس سطح پر لے آئے گی کہ گریٹر اسرائیل کی راہ ہموار ہو جائے۔ گویا جو آج کسی خلافت کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں وہ کل اسرائیل کی غلامی میں جانے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔

کیا اس غارت گری کو کسی طرح روکا جا سکتا ہے؟ ایسے سوالوں کو موضوع بحث بنانے کیلئے او آئی سی جیسا پلیٹ فارم معقول جگہ ہو سکتی تھی لیکن او آئی سی سے زیادہ فضول لایعنی اور بنجر پلیٹ فارم شاید ہی دنیا میں کوئی اور ہو۔ یہ آج تک کچھ produce نہیں کر سکا۔ اگر یہ پلیٹ فارم زندہ ہوتا تو مسلم ممالک کے سیاسی معاشی معاملات کے علاوہ اسے اجتہادی مسائل کے حل کیلئے بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ جب تحرک اور تفقہ فی الدین کی جگہ فساد فی الارض لے لے، جب فکر و شعور کے سوتے خشک بنجر ہو جائیں، جب اجتہادی ذہن پر

جمود طاری ہو جائے تو امتوں کا فکری زوال انہیں دین کے معمولی تقاضوں کی تکمیل کے فہم و ادراک سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ اگر آئی ایس والے امت کا ایک گمراہ، باغی اور دہشت گرد گروپ ہیں تو اس سے نبٹنے کیلئے ہم خود کافی کیوں نہیں ہیں؟ کیا مسلم حکمرانوں کے بنجر ذہن اس معمولی سے فہم و ادراک کے قابل بھی نہیں ہیں کہ وہ یہ جان سکیں کہ امریکہ اور اس کے مغربی اتحادیوں کو ساتھ ملا کر اپنے خطے میں اپنے ہی خلاف برسر جنگ ہونا جس بربادی کو لازم کر دے گا وہ امت مسلمہ کی اجتماعی قوت اور وجود کی کمر توڑ دے گی؟

بات اب خلافت کے قیام کو روکنے کی خونیں جدوجہد تک ہی محدود نہیں ہے۔ مسلم خطوں میں استحصال کی ایک طویل تاریخ نے حکمرانوں اور نظام سے برگشتہ نوجونوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کر دی ہے جس کے سامنے خلافت کے قیام جیسا کوئی ہدف نہ بھی ہو تو وہ ایسی رکاوٹوں سے ٹکرانے کیلئے تیار بیٹھے ہیں جو ان کو محرومیوں کے بے آب و گیاہ دشت میں دھکیلنے کا باعث بنتی آ رہی ہیں۔ ان کو اگر کوئی چیز روکے ہوئے ہے تو وہ صرف یہ کہ ان کے سامنے کوئی ایسا منظم پلیٹ فارم نہیں ہے جو انہیں استحصالی نظام سے ٹکرانے کی اجتماعی قوت فراہم کر دے۔ ایسے حالات میں جب انہیں خلافت یا جہاد کے نام پر تشکیل دیا گیا کوئی پلیٹ فارم میسر آتا ہے تو یہ اس کی تنظیم کا حصہ بننے کیلئے فوراً تیار ہو جاتے ہیں جہاں تک خلافت کے قیام کے حوالے سے ہونے والے خون خرابے کے امکانات اور جائزے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ایک قطعی مختلف قسم کا مزید پیچیدہ رخ سامنے آ جاتا ہے جو اپنے اندر غور و فکر اور توجہ کے بہت سے پہلو لیے ہوئے ہے۔

کفار و مشرکین کے سکالرز اور تھنک ٹینکس نے دین اسلام کا ہمارے علماء حضرات سے بھی شاید زیادہ ہی مطالعہ کر رکھا ہے۔ وہ اس راز کو جانتے ہیں کہ دنیا کی تمام موجودہ تہذیبوں کے مقابلے میں اسلامی تہذیب واحد حریف ہے۔ اس تہذیب کے نیم مردہ وجود میں بھی ایک ایسی اٹھان، ہمہ گیری اور آفاقیت کے عناصر موجود ہیں جو دیگر تمام نظاموں کی بساط لپیٹ سکتے ہیں۔ اس نظام کی آفاقیت کا سیاسی نام خلافت ہو یا کچھ اور اس کے ظہور

کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس راز کو انہوں نے ہم سے زیادہ جان لیا ہے۔ اس تہذیب کے منبع و مرکز یعنی قرآن کو ختم کرنے کی ایک کوشش وہ پہلے کر چکے ہیں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو مسلمانوں کے سینوں میں بھی موجود ہے تو وہ اپنی کوشش سے دست کش ہوئے۔ اب منصوبہ بندی کے تحت گزشتہ تقریباً دو دہائیوں سے یہ بات ایک کھلے راز کی طرح سامنے آ چکی ہے کہ مغربی قوتوں نے ایک جعلی Pseudo خلافت کے قیام کا منصوبہ بنایا ہے جسے پس منظر میں رہ کر اور مخصوص حالات و واقعات کا استعمال کر کے اسے ختم کر دیں گے اور ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ خلافت کا قیام بھی کر کے دیکھ لیا لہٰذا انسانیت کی نجات سرمایہ دارانہ نظام اور مغربی تصور جمہوریت ہی میں پوشیدہ ہے۔ (اس پیرا گراف میں ہمارے سیکولر اور نیم سیکولر "دانشوروں" کے لیے مسکرانے بلکہ قہقہہ مار کے ہنسنے کا کافی مواد موجود ہے)۔ اب دیکھیے کس قدر کنفیوژن پیدا کرنے والی ہے یہ صورت حال!

اب جب کبھی بھی کہیں خلافت کے قیام کے نام سے کوئی کوشش کی جائے گی (خواہ وہ اصلی ہو یا نقلی) تو اس پر پہلا شبہ یہ ہوگا کہ یہ کہیں وہ نقلی والی ہی تو نہیں! جیسا کہ کچھ حلقے اس حوالے سے داعش/ اسلامی اسٹیٹ والوں پر شبے کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ بات کس قدر مزید عجیب ہے کہ خلافت کے قیام کا اعلان جعلی خلافت کیلئے ہو یا اصلی خلافت کیلئے دونوں صورتوں میں ان سے لازماً ایک ایسی جنگ لڑی جائے گی جس کی قیادت مغربی اتحادیوں سمیت امریکہ کے پاس ہوگی اور مسلم ریاستیں یا بادشاہتیں ان کفار و مشرکین کے ساتھ مل کر اس خلافت کے ساتھ جنگ کریں گے۔ اگر چہ اصلی خلافت کے قیام کا اعلان ہی ہو لیکن ان کے ساتھ جنگ انہیں نقلی خلافت قرار دے کر ہی کی جائے گی۔ وہ نقلی والی خلافت کا اعلان تو مغربی اتحادیوں کے کسی خفیہ انتظام کا نتیجہ ہوگا لیکن سوال یہ ہے کہ اس اصلی والی خلافت کے قیام کا اعلان بھی آخر ایسے کوارٹرز ہی سے ہونا کیوں ضروری ہے جو مسلم ریاستوں کے برگشتہ نوجوانوں پر مشتمل ہو اور ان کے ساتھ ہر حال میں جنگ کرنا ہی ضروری ہو اور جنگ بھی وہ جو مسلمان حکمران کفار و مشرکین کی قیادت میں مسلمانوں ہی کے خلاف لڑیں گے؟ کس قدر

عجیب ہے یہ ساری صورتحال!

سوال ہیں کہ خود بخود اٹھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ آخر کوئی مسلم ملک خود کو خلافت کے کچھ بنیادی اصولوں پر استوار کر کے خلافت کے قیام کا اعلان کیوں نہیں کر دیتا؟ آخر یہی کیوں ضروری ہے کہ اس کا اعلان انہی مسلم عوامی حلقوں میں سے ہو جن کو مسلمان حکمرانوں نے جبر اور استحصال کے ذریعے اپنا دشمن بنالیا ہے؟ یہ طبقہ جو زیادہ تر مسلم نوجونوں پر مشتمل ہے اب کسی بھی وقت حکمرانوں کے خلاف ضرور اٹھے گا۔ خواہ خلافت کے نام پر یا کسی اور نام سے۔ اگر اپنے ان بچوں کو قتل و غارت گری کی بھینٹ چڑھانا ہی ضروری ہے تو پھر یہ کام خود اپنے ہاتھوں ہی سے کیوں نہیں کر لیتے، اس کے لیے کفار و مشرکین کو ساتھ ملانا کیوں ضروری ہے؟ کیا اس لیے کہ کفر کی قوت کو ساتھ ملا کر انہیں ہمیشہ کیلئے کچل دو؟ اپنی نسلوں کو اپنے دشمنوں کے ساتھ مل کر برباد کرنے کا کتنا انوکھا آئیڈیا سوجھایا ہے ہمیں طاغوتی قوتوں نے۔ افسوس ہے روشن خیالی کے مارے ہوؤں پر۔

☆☆☆

نائن الیون کے بعد امریکہ اور اس کے یورپی اتحادیوں نے مسلم خطے میں داخل ہو کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ کرہ ارض کی انسانی تاریخ کا یہ ایک انوکھا واقعہ ہے کہ کسی قوم کے رہنماؤں نے بیرونی حملہ آور دشمن کے ساتھ مل کر اپنے ملکوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کرایا ہو۔ کس قدر آسانی سے ایسی اصطلاحات گھڑی گئیں کہ سب کچھ آسان ہو گیا۔ مسلم حکمران اور سیاسی رہنماؤں نے اپنا نام ''روشن خیال'' رکھ لیا اور بیرونی حملہ آور دشمنوں اور قابض فوجوں کے ساتھ لڑنے والے فریڈم فائٹرز کو مذہبی، انتہا پسند، جنگجو اور دہشت گرد کے نام دے دیئے گئے اور ان تمام ناموں کا اجتماعی اظہار لفظ ''جہادی'' کے ذریعے کیا جانے لگا گویا جہادی ہونا ایک گالی بن گئی۔ تصور جہاد اسلامی فکر کی قوت شوکت کا مظہر ہونے کی بجائے ایسی جدو جہد کا نام قرار پایا جسے طالبان جیسے لوگ اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کیلئے بروئے کار لاتے ہیں۔ بیرونی قابض فوجوں سے لڑنے والے حقیقی فریڈم فائٹرز

طالبان کو بدنام اور داغدار کرنے کیلئے امریکہ نے اپنی خفیہ سرپرستی میں تحریک طالبان پاکستان تیار کی جس کا نام تحریک طالبان محض اس لیے رکھا گیا تا کہ ان کی دہشت گردانہ غلیظ کارروائیوں کو جب لفظ طالبان سے منسوب کیا جائے تو یہ لفظ نفرت، جہالت اور دہشت گردی کی علامت بن جائے اور پھر یہ ہو بھی گیا۔ آج کسی کو طالبان کہنے کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص کسی ایسے سیارے کی مخلوق ہے جہاں سب پسماندہ ذہن کے جاہل لوگ بستے ہیں۔

یہ ہے وہ نقصان جو جانی مالی اور انفراسٹرکچر وغیرہ کی تباہی کے علاوہ ہم نے فکری اور نظریاتی محاذ پر امریکہ کے ہاتھوں اٹھایا۔ مادی نقصانات کی تلافی تو تعمیر نو کے کچھ منصوبوں کے ذریعے شاید برسوں میں ہو جائے لیکن فکری و نظریاتی اساس پر ضرب لگنے کے نقصان کی تلافی میں کئی عشرے لگ سکتے ہیں۔

ان مادی اور نظریاتی نقصانات کے پس منظر میں اب اس ٹائمنگ کی موزونیت کو دیکھیے جسے اصلی خلافت کے قیام والے بھی موزوں سمجھ رہے ہیں اور نقلی خلافت کے قیام والے بھی۔

اصلی خلافت والے تو یہ کہہ کر اس وقت کو اس لیے مناسب سمجھ رہے ہیں کہ ان کے خیال میں دنیا تمام نظاموں کا تجربہ کر چکی ہے اب جبر و استبداد کے شکنجوں سے انسانیت کو آزاد کرانے کے لیے جس نئے نظام کی ضرورت ہے وہ خلافت ہے لہٰذا اس کے متعارف و نافذ کرنے کا اس سے بہتر وقت نہیں۔ (معلوم نہیں ان کے لیے ایسا ہی وقت کیوں مناسب ہے جب مغربی قوتیں خطے میں پہلے ہی سے موجود ہیں اور تباہی یقینی ہے)۔ نقلی خلافت کا معاملہ قدرے پیچیدہ ہے۔ یہ دو طرح کی ہو سکتی ہے ایک تو ایسی جسے امریکہ تحریک طالبان پاکستان کی طرح کھڑا کرے اور بیت اللہ محسود اور ملا فضل اللہ جیسی قیادت ہائر کر لے جو لوگوں کو ثواب کے کام لگا کر مرواتی رہے اور خود مال کماتی رہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ خلافت کے قیام کے حقیقی دعوے داروں کو کام کرنے دیا جائے۔ انہیں کچھ فتوحات کے

ذریعے کوئی خطہ فراہم کر لینے دیا جائے۔ کچھ عرصے کام بھی کرنے دیا جائے پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ امریکہ کا خیال ہے کہ وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔ چاروں طرف سے گھیر کے ماردیا سیاسی کرۂ ارض پر اس کی سیاسی بقاء کو مشکل بنا کر اس مقام پر لے جاؤ جہاں وہ خود ہی دم توڑ دے۔ جس دنیا میں ہم رہ رہے ہیں یہ مغرب کی بنائی ہوئی ہے۔ ڈسپرین کی گولی سے خلائی سٹیشن تک سب کچھ ان کا بنایا ہوا ہے۔ ہم ان کے بنائے ہوئے طرز زندگی میں رہ رہے ہیں۔ تعلیمی ادارے ہوں یا نظام ونصاب تعلیم، بنک ہوں یا صنعتیں، گھروں کو ٹھنڈا یا گرم کرنے کے آلات ہوں یا ذرائع آمدورفت کی سواریاں سب کچھ یہاں تک کہ ہم خود بھی west کی پروڈکٹ ہیں۔ پھر اس کرۂ ارض کے سیاسی نظام کی تشکیل وترتیب جو جنگ عظیم دوم کے بعد وجود میں آنے والے قومی ریاست کے تصور کا نتیجہ ہے جس نے مسلم امت کے تصور پر ایسی ضرب لگائی کہ نظریاتی وسعتیں جغرافیائی سرحدوں تک سکڑ کر رہ گئیں۔ شہر جتنی تو کیا محلے محلے جتنی ریاستیں وجود میں آ گئیں۔ سب کو لوٹ مار اور عیش وعشرت کا سامان مہیا کر دیا گیا تا کہ اپنی بربادی کیلئے خود ہی کافی ہو جائیں۔ مغرب کے نزدیک مسلم خطوں میں سروں کی فصل تیار ہے جسے کاٹنے کیلئے وہ میدان میں نکل پڑے ہیں۔ ہم west کے بنائے ہوئے ایسے بین الاقوامی اداروں کی گرفت میں ہیں کہ اپنی مرضی سے جینا تو کیا سانس بھی نہیں لے سکتے۔ اقوام متحدہ، سکیورٹی کونسل، ویٹو پاور، ورلڈ بنک، آئی ایم ایف، بنیادی انسانی حقوق نامی جال ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن WTO ایٹمی ایجنسی، ایٹمی کلب، سی ٹی بی ٹی، این پی ٹی، تجارتی پابندیاں کیا کیا کچھ ہیں جس نے ہماری گردن کو دبوچ رکھا ہے۔ کیسے ٹوٹے گا یہ طلسم؟

مغرب کے ساتھ ہماری جو نظریاتی اور باقاعدہ عملی جنگ ہونے جا رہی ہے یا تقریباً جاری ہے اس کی کئی جہات اور محاذ ہیں۔ کچھ مسلم دانشوروں کا خیال ہے کہ موجودہ مسائل کا حل جمہوریت کے ذریعے ممکن ہے۔ اس حل کی عملی شکلوں کا ذرا جائزہ لیجئے۔ مسلم عوام اور مسلم حکمرانوں کے درمیان نفرت کی خلیج اس قدر بڑھ چکی ہے کہ مغربی بینکوں میں لوٹ مار

کا سرمایہ جمع کرنے والے حکمران اب تیزی سے اپنے اختتام کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ جمہوری نظام اگر منصفانہ انتخابات کے ذریعے قیادت فراہم کرے گا تو اس میں لوٹ مار مافیا برسر اقتدار نہیں آ سکے گا۔ (ذرا دیر کیلئے آپ مشرق وسطی کی بادشاہتوں میں بھی مغربی طرز جمہوریت کی حکمرانی کو فرض کر لیجئے) شفاف انتخابات کے ذریعے زیادہ سے زیادہ ایک یا دو عشرے تک کی کھینچا تانی کے بعد یہ مافیا اقتدار سے آؤٹ ہو سکتا ہے لیکن یہی وہ کرپٹ طبقہ ہے جو امریکہ کو اس کے مقاصد کی تکمیل میں مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کے آؤٹ ہونے کے بعد اگر افغان طالبان جیسی قیادت منظر عام پر نہ بھی آئی تو اخوان المسلمون ٹائپ قیادت تو لازماً آگے آ کر رہے گی۔ تو پھر کیا یہ مغربی جمہوری نظام اس اسلامی فکر کی جانب راہ بنانا شروع نہیں کرے گا جو امریکی اور سرمایہ درانہ نظام کی فنا کا سامان ہے؟ اگرچہ اتنی بڑی تبدیلی شفاف انتخابات اور مغربی جمہوری نظام کے ذریعے ممکن تو نہیں لیکن فرض کیجئے کہ ایسا ہو ہی جاتا ہے تو کیا امریکہ اور اس کے اتحادی اخوان جیسی جمہوری حکومتیں کو قبول کر لیں گے؟

ایسی قیادت ابھی حال ہی میں اس نے نہ مصر میں قبول کی نہ الجزائر میں، دونوں جگہ اسلام پسندوں کو حکومت نہیں کرنے دی گئی اگرچہ وہ جمہوری انتخاب کے ذریعے ہی برسر اقتدار آئے تھے۔ کسی مسلم خطے میں جمہوری انتخابی سیاست کے ذریعے ہی سہی اگر اسلام پسند برسر اقتدار آ جاتے ہیں اور مغرب اسے بھی قبول نہیں کرتا تو ایسے دانشوروں کی سوچ پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے جو مغربی طرز جمہوریت کو مسلم دنیا کے مسائل کا حل سمجھ رہے ہیں۔

اگر امریکہ و یورپ کو اخوان ٹائپ جمہوری قیادت بھی قبول نہیں تو وہ خلافت کو کس طرح قائم ہونے دے گا۔ لیکن ان تمام رکاوٹوں کے باوجود فرض کر لیجئے کہ کسی طرح خلافت قائم ہو گئی تو بین الاقوامی برادری میں اسے اقوام متحدہ سے ریاست کا درجہ کون دلائے گا؟ سیکیورٹی کونسل کی ویٹو پاور قوتوں کا توڑ کس کے پاس ہے؟ کیا طالبان کا افغانستان ریاست کا درجہ حاصل کر سکا تھا؟ اگر ناممکنات کی گھاٹیاں اس قدر کٹھن اور دشوار گزار ہیں تو کیا خلافت

والوں کو روکا جا سکے گا؟ کیا وہ قائم خلافت کو ناممکن سمجھ کر خاموشی سے بیٹھ رہیں گے؟ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ضیاء الحق اور پرویز مشرف ٹائپ ریفرنڈم کے ذریعے انتخابی ڈھونگ رچا کر کرپٹ مافیا کو کچھ مزید عرصے کیلئے برسر اقتدار لایا جا سکے گا اور خلافت والوں کو اقتدار سے دور رکھا جا سکے گا لیکن کیا اس حل کے ذریعے مسلم خطوں میں حقیقی امن قائم ہو جائے گا؟ کیا ایسے انتخابات قتل و غارت گری میں مزید اضافے کا باعث نہیں بنیں گے؟

کیا خلافت والے ان حالات کو دیکھ کر ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر فارغ ہو کر بیٹھ جائیں گے کہ چلو کیا کریں خلافت کا قیام تو کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ اب دانشوروں کی دانشوری کے مطابق تو ایک ہی حل بچتا ہے کہ امریکہ سے اجازت لے کر ہی خلافت قائم کر لی جائے کیونکہ بصورت دیگر یہ ممکن ہی نہیں نظر آتا۔ اب ذرا یہ بتایئے کہ کیا مدینہ کی ریاست قیصر و کسریٰ کی اجازت سے بنی تھی؟ کیا امیہ، عباسی اور عثمانیہ خلافتیں وقت کے فرعونوں کی مشاورت سے وجود میں آئیں؟ کیا ہسپانیہ کی آٹھ سو سالہ حکومت میں یورپ کا مشورہ شامل تھا؟

پھر کم سے کم حل کیا ہے؟ آیئے ذرا، او آئی سی کی نبض ٹٹول کر دیکھیں۔ او آئی سی 50 سے زائد مسلم ریاستوں کی ایک تنظیم ہے ایک مسلم ریاست کی تنظیم نہیں۔ خلافت کا قیام تو جب ہوگا تب ہوگا لیکن مسلم ممالک کسی ڈھیلے ڈھالے سے وفاق کے ذریعے ایک سیاسی وحدت ہی کا فارمولا بنا لیتے۔ اس سیاسی وحدت کو خلافت کی آئیڈیل کی سطح تک پہنچانے میں اگرچہ عشروں کا سفر درکار ہوتا لیکن ابتدائی طور پر کوئی ایسا پرامن سا انتظام تو ہو جاتا جو اس قتل و غارت گردی کو روک سکتا جو ایک ناگزیر شکل میں سامنے کھڑی نظر آ رہی ہے۔

☆☆☆

داعش کی فتوحات میں ''حیرت انگیزی'' کا عنصر نمایاں ہے۔ یہ فتوحات کچھ اس انداز میں کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں جیسے سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا جا رہا ہو۔ عراق کی موجودہ شیعہ حکومت کے حوالے سے یہ خبریں بھی آتی رہی ہیں کہ وہ امریکی اسلحہ

داعش کوفراہم کرتی رہی ہے۔اگر داعش سنی ہیں تو انہیں عراقی شیعہ حکومت کی ہتھیار سپلائی حکمت عملی کے کیا معنی ہوئے؟ اگر کرد سنی ہیں تو داعش کا سنی ہونا انہیں ایک دوسرے کے قریب کیوں نہیں لا رہا؟ اگر داعش اسلامی ریاست یا خلافت کا قیام چاہتی ہے تو اس کے زیر قبضہ علاقوں کے مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور کیوں ہیں؟ داعش کی اسلامی خلافت مقامی آبادی کیلئے تحفظ اور سلامتی کا باعث کیوں نہیں بن رہی؟ داعش اگر مقامی مسلمان آبادی کو ساتھ ملانے کو کامیابی یا خلافت کے قیام کے لیے بنیادی ضرورت نہیں سمجھتی تو پھر اس کے حقیقی مقاصد اور کیا ہیں؟ بے شمار سوالات اب جوابات مانگ رہے ہیں۔داش اسلحے کی بہتات اور دیگر وسائل کی فراوانی سے دستیابی کے باوجود 15 سے 20 ہزار نفوس پر مشتمل عسکری قوت ہے۔اس تعداد کے ساتھ وہ درجنوں مسلمان ملکوں اور اسی قدر امریکی یورپی اتحادیوں کے ساتھ بیک وقت کس طرح نبرد آزما ہو سکے گی؟ ان کی آسان ترین کامیابیاں اگر خود ان کے حوالے سے شکوک وشبہات میں مبتلا نہ بھی کریں تو ان قوتوں کے حوالے سے ضرور شکوک وشبہات میں مبتلا کر رہی ہیں جو قوتیں اس آسانی سے انہیں کامیاب ہونے دے رہی ہیں۔واضح نظر آرہا ہے کہ امریکہ اور اس کے یورپی اتحادی اس خطے میں جو کچھ بھی کرنے جا رہے ہیں وہ اس وقت صرف شیعہ سنی اختلافات کی بنیاد پر ہے۔ایک پہلے سے تباہ حال خطہ مزید تباہی کی جانب بڑھتا چلا جا رہا ہے۔داعش کے ساتھ شروع ہونے والی جنگ چند مہینوں میں جو تباہی لا چکی ہے اس کا اندازہ کرنے کیلئے صرف اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ اس قلیل ترین عرصے میں امریکہ اور اس کے اتحادی داعش کے خلاف لڑائی میں اب تک 17 ہزار بم گرا چکے ہیں۔اس سے قبل کی تباہی کے اعداد وشمار کے حوالے سے جو رپورٹ سامنے آئی ہے اس مطابق 6 سال میں 65 ہزار بم صرف عراق کی سرزمین پر پھٹے ہیں اور عراق اجتماعی قبرستان کا ایسا منظر پیش کر رہا ہے کہ کوئی گلی،محلہ،سڑک اور مکان ایسا نہیں جو تباہی اور قتل وغارت گری کا نشانہ نہ بنا ہو۔رپورٹ کے مطابق ایک لاکھ 9 ہزار 32 شہری لقمہ اجل بنے ہیں لیکن یہ تعداد کم معلوم ہوتی ہے حقیقتاً ہلاکتیں اس

سے کہیں زیادہ ہوں گی۔ 76 ہزار سے زائد افراد زخمی بتائے گئے ہیں۔ یہ تعداد بھی کم لگتی ہے۔ اگر ان اعداد وشمار کو درست بھی سمجھ لیا جائے تو اسے ذرا مسلمانوں کی ہلاکتوں کی اس تعداد کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے جو ہلاکتیں اس خطے میں عراق ایران جنگ اور جارج بش سینئر کے دورِ حکومت میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حملے کے نتیجے میں رونما ہوئیں۔ اس کے بعد عراق پر پابندیاں بھی لگائی گئیں اس عرصے میں پانچ لاکھ اموات تو صرف بچوں کی ہوئی تھیں۔

اس نئے محاذ میں ذرا ایران امریکہ تعلقات اور راہ ورسم پر بھی نظر ڈال لیجیے۔ یہ پرانی دشمنی اب ایک خفیہ سے نرم تعاون کے ساتھ قدرے وسیع تر ایران امریکہ تعلقات کی جانب بڑھتی نظر آ رہی ہے۔ امریکہ نے اب تک آئی ایس/ داعش پر جو ہوائی حملے کیے ہیں یا مزید کرنے جا رہا ہے اس آپریشنل الائنس میں اسے ایران کے فوجی مشیروں کی مشاورت حاصل ہے کیونکہ ایران اس وقت عراق کی اس شیعہ حکومت کا محافظ ومددگار ہے جو امریکہ کی بنائی ہوئی کٹھ پتلی ہے۔ ایران کے فوجی مشیر عراقی فوج اور شیعہ جنگجو گروپوں کے مددگار ہیں اور یہ اس کے باوجود ہو رہا ہے کہ ایران اور امریکہ نے بظاہر اس ضمن میں ایک دوسرے کا معاون نہ ہونے کا اعلان کر رکھا ہے۔ اور ایران علانیہ آئی ایس کو امریکہ کی تخلیق کہتا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں ہے کہ امریکہ اور ایران کے درمیان خفیہ مذاکرات کئی سال سے جاری ہیں۔ بغداد میں بھی دونوں ملکوں کے درمیان خاموش رابطوں کے سلسلے موجود ہیں۔ امریکہ نے اپنی نئی ضرورتوں کے تحت ایران کے حوالے سے بھی اپنے رویے میں ''معمول'' کی نرمی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایران کی بھی نئی ضرورتیں اور مجبوریاں اسے امریکہ کے ایسے تعاون کا خواہش مند بنا رہی ہیں جس کے نتیجے میں مشرق وسطیٰ اگرچہ آگ اور خون کے کھیل میں جھونک دیا جائے لیکن شام وعراق کی شیعہ حکومتیں ایرانی نقطہ نظر سے اس لیے قائم رہیں کہ اس کا کسی بھی قسم کا اگلا ایجنڈا عمل کی راہوں پر چل نکلے خواہ اس کے نتیجے میں امریکہ کا اسلام دشمن ایجنڈا کامیابیوں کے نئے اہداف کو چھو لے لیکن اس کے باوجود

ایران اپنے چند فوری نوعیت کے علاقائی مفادات کے لیے دوررس امریکی مفادات کا محافظ بننے کے لیے تیار ہوسکتا ہے۔ بحرین اور یمن میں سنی حکومتوں کی شیعہ اپوزیشن پر ایرانی اثرات اور فلسطین غزہ میں حماس کی حمایت اور لبنان میں حزب اللہ پر اس کا اثر ورسوخ، شام میں بشار الاسد کی حکومت کی حمایت اور عراقی حکومت کی پشت پناہی امریکہ کے ساتھ لین دین کی مذاکراتی میز پر اس کے وہ پتے ہیں جنہیں وہ حالات کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے کھیل سکے گا۔ سب سے بڑھ کر اس کا ایٹمی پروگرام اور اس کے نتیجے میں لگنے والی پابندیاں ہیں۔ جن کے حوالے سے ایران امریکہ کے ساتھ مذاکرات میں کچھ لو اور دو کی پوزیشن میں ہے۔

دوسری جانب ایران پاکستان تعلقات میں کچھ نئی جہات سامنے آ گئی ہیں۔ کوئٹہ میں ایرانی مداخلت کے حوالے سے اور پاکستان میں بھی شیعہ سنی تنازعات کو ہوا دینے اور ابھارنے کی کوششوں کا ذکر ہورہا ہے۔ گویا شیعہ سنی ایشو کو پورے مسلم خطے تک پھیلانے کی منصوبہ بندی کو آگے بڑھایا جارہا ہے۔ ایران ابھی کل تک گیس پائپ لائن پراجیکٹ کے حوالے سے پاکستان کے ساتھ جذبات و مذاکرات گرم کیے ہوئے تھا کہ اچانک نہ جانے کیا ہوا۔ ادھر بھارت کی جانب سے کنٹرول لائن پر اشتعال انگیزی شروع ہوگئی اور دوسری جانب ایران کی جانب سے قطعی غیر متوقع کارروائیاں سامنے آنی شروع ہوگئیں۔ سرحدی معاملات میں مذاکراتی فورم موجود ہونے کے باوجود ایران نے کچھ جانی انجانی شکایتوں کے حوالے سے پاکستانی سرحدی علاقے میں گولہ باری کرنے ہی کو ضروری سمجھا اور یہاں تک دھمکایا کہ پاکستان نے سرحد محفوظ کی تو اندر گھس کر کارروائی کریں گے۔

اس سے قبل چند سال پہلے بھی ایران نے پاکستانی علاقے میں گھس کر کوئی آپریشن کر کے کچھ گرفتاریاں کی تھیں جس کا پاکستان نے اچھے تعلقات کے پیش نظر کوئی شدید ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا لیکن اب حال ہی میں ایک مرتبہ پھر ایران کی جانب سے پاکستان کے خلاف گولہ باری کی کارروائی سامنے آئی ہے۔ بھارت کے ساتھ ایرانی تعلقات ہمیشہ

پاکستان کے مقابلے میں ایسے عدم توازن کا شکار رہے ہیں جس میں ایرانی جھکاؤ بھارت کی جانب رہا ہے۔ پاکستان کی گوادر پورٹ کو غیر اہم کرنے کے لیے بھارت کے ساتھ تعاون کو فروغ دیتے ہوئے ایران نے افغانستان میں ریل منصوبے کی بنیاد رکھی ہے اور ایران بھارت اب "ایران کابل ریلوے" منصوبے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ہرات اور قندھار کے درمیان ہائی وے کو بھی ایرانی ساحلی علاقے تک توسیع دینے پر کام ہو رہا ہے۔ مستقبل میں ایران پاکستان تعلقات کچھ مزید ناخوشگوار مراحل سے گزرنے والے ہیں جنہیں کچھ تجزیہ نگار اس وسیع تر شیعہ سنی فسادات کے پس منظر میں دیکھ رہے ہیں۔ جس کی بنیاد مسلم امت کی نئی بربادی مہم کے لیے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے رکھ دی ہے اور یہ سب کچھ کسی نہ کسی طرح داعش سے وابستہ ہو رہا ہے۔ افسوس ہے اس امت پر جو اپنی بربادی پر خود ہی کمر بستہ ہے۔

☆☆☆

داعش غیر ملکی میڈیا کی نظر میں

داعش کے حوالے سے اب تک حاصل ہونے والی معلومات کا سب سے بڑا سورس برطانوی اور امریکی میڈیا ہی ہے۔ اب کوئی کچھ بھی کہے اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یہ بظاہر آزاد لیکن حقیقت میں اپنی خواہشوں اور ایجنڈے کا غلام میڈیا معاملات کو ایک مخصوص نقطہ نظر سے ہی پیش کرتا ہے۔ اس حوالے سے گزشتہ دو ماہ میں شائع ہونے والے دنیا کے معروف تجزیہ نگاروں کے مضامین پیش ہیں جن سے آپ کو تصویر کا دوسرا رخ دیکھنے کا موقع ملے گا۔

"دولت اسلامیہ" کا جنم!

نعمان صادق

میں معترف ہوں کہ بشارالاسد ایک ناجائز اور جابر حکمران ہیں اور انہیں مناسب وقت آنے پر موروثی تخت وتاج عوام کی خواہش کے مطابق چھوڑ دینا چاہیے، لیکن فی الوقت ہماری پہلی ترجیح شام میں جمہوریت لانا نہیں، تشدد میں کمی ہونی چاہیے۔ اس تصادم کے دو فریق ہیں...... حکومت اور باغی (جن کی اکثریت تکفیری جہادی ہیں) حکومت کے لیے تصادم ختم کرنا ممکن نہیں کیونکہ اس کی دم سے چیتا (ٹائیگر) چمٹا ہوا ہے۔ یہ اپنا دفاع کر رہی ہے۔ یہ صرف اپنی بقا کے لیے نہیں بلکہ اپنے ہم مسلک علویوں کی بقا کے لیے بھی لڑ رہی ہے جس کی آبادی 26 لاکھ یعنی کل آبادی (دو کروڑ بیس لاکھ) کا 12 فیصد حصہ ہے۔

تصادم کا دوسرا فریق باغی ہیں جن کے حامی خلیج کے امیر، ترکی، مغربی طاقتیں اور اسرائیل ہیں اور یہ سب ان کی کھلے دل سے مدد کرتے ہیں۔ آپ سعودی عرب، قطر، اردن اور ترکی کے سنی مسلمانوں اور اسرائیل کے اتحاد پر حیرت زدہ نہ ہوں اور نہ ہی اس سے صرف نظر کریں عملی سیاست کا اصول ہے کہ امیر سے دشمن کا دشمن میرا دوست ہے۔ اس جنگ میں مغرب کی دلچسپی کی ایک وجہ اسرائیل کی علاقائی سکیورٹی ہے کیونکہ ایران، شام اور حزب اللہ پر مشتمل شیعہ محور اس (اسرائیل) کی بقا کے لیے خطرہ ہے اور ایران کے میزائل

پروگرام کے جدید تر ہونے کے تناسب سے یہ خطرہ بھی بڑھتا جائے گا۔ 2006ء میں اسرائیل اور حزب اللہ کے تصادم میں حزب اللہ کے بیشتر راکٹ اسرائیلی اہداف کو نشانہ نہیں بنا پائے تھے، لیکن بعض اطلاعات کے مطابق اب ایران اور حزب اللہ اس سے بہتر میزائل کر چکے ہیں، چنانچہ ہر سال گزرنے کے ساتھ اسرائیل کو لاحق خطرے میں اضافہ ہوتا جائے گا اور حزب اللہ کے راکٹ اسرائیل کے تزویری خوابوں کو چکنا چور کریں گے۔ شام کے حالات میں مغرب، خصوصاً امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی غیر فطری دلچسپی کی ایک اور وجہ مطلق العنان عرب حکومتوں کے ساتھ دوستی کو مزید پکا کرنا اور جنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن کی استعداد کم کرنا ہے۔ اس پیچیدگی کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ شام میں سیاسی تحریک حقیقی ہے اور جنگجو عناصر کو شام کے ان علاقوں کی حمایت حاصل ہے۔ جن کی اکثریت سنی مسلک سے تعلق رکھتی ہے۔ مقامی آبادی کی حمایت کے بغیر عسکری جدوجہد جاری نہیں رکھی جا سکتی۔ شام میں یہ اس لیے بھی ممکن ہے کہ ترکی، لبنان، اردن، اسرائیل اور عراق کے ساتھ اس کی سرحدیں بہت نرم ہیں اور ان ممالک سے جنگجوؤں اور اسلحے کی آمد پر کنٹرول کرنا آسان نہیں۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ جنگ جس قدر اسرائیل کی علاقائی سیکیورٹی کے لیے اہم ہے اتنی ہی دوست مطلق العنان عرب ممالک کے لیے بھی اہمیت کی حامل ہے، تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عرب حکومتیں بھی شامی حکومت کی طرح ناجائز اور عوام کی حمایت سے محروم ہیں۔ ان کے حکمران صرف اور صرف طاقت کی بنیاد پر حکومت کرتے ہیں۔ آج جو سیاسی تحریک مسلح عسکریت کا رخ اختیار کر کے شام کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے، کل اسی قسم کی صورت حال اردن، سعودی عرب اور خلیج تعاون کونسل کے ممالک میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ پھر یہ سب ممالک جلتی پر تیل ڈال کر اس خطرے میں اضافہ کیوں کر رہے ہیں؟ اسے سمجھنے کے لیے عسکریت کو سمجھنا ضروری ہے۔

یہ جنگ لڑنے والے عسکریت پسند نظریاتی لوگ ہیں۔ وہ ایسا طوفان ہیں جسے روکا نہیں

جا سکتا۔ اس کے نقصان سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کا رخ کسی دوسرے کی جانب موڑ دیا جائے، خاص طور پر اس صورت میں جب "وہ دوسرا" آپ کا دشمن بھی ہو۔ اس سے آپ کو کچھ وقت مل جائے گا اور طوفان کا زور بھی قدرے کم پڑ جائے گا۔ مطلق العنان عرب حکمرانوں کے پاس دو راستے ہیں: اول، وہ اندرون ملک سیاسی اصلاحات کریں اور لوگوں کو اندرونی و بیرونی معاملات میں شریک کریں۔ دوم: وہ ان (جنگجوؤں) کی توجہ اندرونی محاذ سے ہٹا کر کسی بیرونی خطرے کی جانب موڑ دیں۔

میکیاولی نے اپنے سرپرست حکمران کو نصیحت کی تھی کہ وہ دشمن ایجاد کرے اور اپنی رعایا کو خوفزدہ کرنے کے لیے اسے عبرتناک سزا دے۔ عرب مطلب العنان بادشاہ اور امیر میکیاولی کی عین اسی نصیحت پر عمل کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی سنی رعایا کو قابو میں رکھنے کے لیے شیعہ دشمن ایجاد کیا ہے۔ لیکن مغرب اس شیطانی سکیم کا حصہ کیوں بن گیا؟ گزشتہ برس امریکہ، برطانیہ، فرانس، کینیڈا، سعودی عرب، قطر اور ترکی کے چیفس آف سٹاف کا اجلاس اردن میں ہوا۔ متحدہ عرب امارات کے اخبار کی رپورٹ کے مطابق اردن میں ایک سیکرٹ کمانڈ سنٹر قائم کیا گیا ہے، جس میں چودہ عرب اور مغربی ممالک کے علاوہ اسرائیل کے فوری افسر اشامل ہیں۔ یہ کمانڈ سنٹر جنوبی شام میں باغیوں (جہادیوں) کی کارروائیوں میں رابطہ کاری کرتا ہے جبکہ شمالی شام میں ان کارروائیوں کو ترکی میں قائم اسی طرح کا دوسرا سنٹر یہی امور انجام دیتا ہے۔

اسرائیل کی علاقائی سکیورٹی کے علاوہ ایک دوسرا عنصر بھی ہمیشہ مغرب کے تزویری ذہنوں میں رہتا ہے اور وہ مشرق وسطیٰ کا تیل ہے۔ لیکن شام کی جنگ کا تعلق براہ راست تیل یا گیس سے نہیں ہے۔ شام کے شمال مشرقی علاقے میں تیل کی یومیہ پیداوار صرف چار لاکھ بیرل ہے۔ لہٰذا مغرب کی دلچسپی براہ راست شام کے تیل میں نہیں لیکن بالواسطہ طور پر ضرور ہے۔ مطلق العنان عرب دوست حکمرانوں کا کسی نہ کسی مخمصے میں الجھے رہنا خصوصاً شیعہ خطرے کی موجودگی عرب حکمرانوں اور مغرب دونوں کے مفاد میں ہے۔ اس سے قطر،

متحدہ عرب امارات، اردن، کویت اور بحرین میں نیٹو کے فوجی اڈے قائم کرنے کا جواز بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

شام کی جنگ کا تیل سے براہ راست تعلق نہیں لیکن عراقی اور لیبیا سے تھا۔ لیبیا 16 لاکھ بیرل یومیہ تیل پیدا کرتا ہے جو دنیا کی کل پیداوار کا دو فیصد ہے۔ عراق کی پیداوار جنگ کے بعد تیس لاکھ بیرل یومیہ ہے جو چند برسوں کے بعد 50 لاکھ بیرل تک پہنچ جائے گی۔

سعودی عرب کی یومیہ پیداوار ایک کروڑ بیرل ہے جو دنیا کی کل پیداوار کا 15 فیصد ہے۔

لیبیا میں 2012ء میں انتخابات کرائے گئے لیکن دو تہائی نشستیں آزاد امیدواروں کے لیے مخصوص کر دی گئیں۔ صرف ایک تہائی نشستیں سیاسی جماعتوں کے لیے رکھی گئی۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ ''النہضہ'' اور ''اخوان'' جیسی اسلامی جماعتیں بالادستی حاصل نہ کر لیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ہیرا پھیری کے باوجود امریکہ مخالف اسلامی جماعتوں کے ارکان نے گزشتہ انتخابات میں سب سے بڑا بلاک بنا لیا۔ جون 2014ء کے الیکشن کو خاص اہمیت حاصل نہیں ہو سکی کیونکہ اس میں ٹرن آؤٹ صرف 18 فیصد تھا 2012ء میں اس کی شرح 60 فیصد تھی۔

کچھ صحافی بعد جنگ شام میں اسلامی جنگجوؤں کے کردار کے بارے میں فکرمند ہیں۔ لیبیا کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے کئی منظرنامے ممکن ہیں۔ اسرائیل کے نقطہ نظر سے اسلامی عناصر کی شمولیت سے تشکیل پانے والی مستقبل کی کمزور شامی حکومت صہیونی مخالف ایران شام حزب اللہ اتحاد سے بننے والی طاقتور حکومت کے مقابلے میں کم خطرناک ہو گی۔ اس وقت تک نیٹو خلیج تعاون کونسل اسرائیل اتحاد نے شام پر حملہ کرنے سے گریز کیا ہے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ حزب اللہ اور ایران کا ردعمل کتنا سخت ہوگا؟ اگرچہ ایران شام اور حزب اللہ اتحاد کا نیٹو سے کوئی تقابل ہی نہیں لیکن حزب اللہ اسرائیل کے تمام شہروں کو راکٹ حملوں کا نشانہ بنانے کی اہلیت رکھتی ہے۔ تصادم میں شدت پیدا ہو گئی تو ایران، سعودی عرب اور

خلیج فارس کی تیل کی تنصیبات کو نشانہ بنا سکتا ہے۔اس کے علاوہ وہ ہرمز کا آبی راستہ بند کرسکتا ہے جس سے روزانہ بہت سے تیل بردار جہاز گزرتے ہیں۔ایران کے روایتی ہتھیاروں سے لیس میزائل بھی اسرائیل، سعودی عرب اور خلیجی ریاستوں کے لیے خطرہ ہیں۔

شام کی سیاسی جدوجہد جائز اور مقامی ہونے کے علاوہ کافی وسیع بھی ہے۔اس کے برعکس شامی حکومت بلا جواز اور ظالم و جابر ہے۔ہم یہاں برسر جنگ ہیں، ہمیں سب سے پہلے تشدد اور لوگوں کی مشکلات کم کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔بشارالاسد یہ کام نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اپنی اور اپنی کمیونٹی (علویوں) کی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔تصادم میں کمی کا واحد طریقہ یہ ہے کہ نیٹو، خلیج تعاون کونسل، ترکی اور اسرائیل باغیوں کو مدد کی فراہمی بند کردیں۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ شامی انقلاب کی سیاسی جہت جائز اور جمہوری، لیکن عسکریت بلا جواز اور غیر جمہوری ہے تو میں ایک مصنوعی مگر ایک ضروری امتیاز کو نمایاں کرنے کی کوشش کررہا ہوتا ہوں۔ہمیں شامی عوام کی سیاسی خواہشات کی ضرور حمایت کرنی چاہیے، جنہیں عبور کرنے سے احتراز لازم ہے۔مثال کے طور پر احتجاج تو ہو، لیکن گولہ بارود کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

شام میں قتل و غارت بند کرکے انسانی دکھوں کا مداوا کیا جاسکتا ہے۔بشارالاسد حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ جائز سیاسی جدوجد کو طاقت سے دبانے کی بجائے 2011ء کی عرب بہار کے زیراثر تبدیل شدہ سیاسی حرکیات کو سمجھے۔اب وہ مخالفین کے ساتھ مذاکرات اور سیاسی اصلاحات پر آمادہ ہیں لیکن بہت دیر ہوچکی ہے۔سیاسی تحریک عسکری جدوجہد کی شکل اختیار کرچکی ہے اور شام کے بہت بڑے علاقے پر جنگجوؤں کا قبضہ ہے۔کچھ علاقائی عناصر نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عسکریت کو بڑھاوا دیا۔ان کے پیش نظر شام میں جمہوریت یا امن کا قیام نہیں بلکہ اپنے سکیورٹی مفادات تھے۔مجھے یقین ہے کہ مسلح تصادم میں مزید اضافہ کیا گیا تو اس سے صورتحال انتہائی خراب ہوجائے گی......عسکریت، قتل و غارت اور تباہی کا ایک طوفان آجائے گا۔

دو کروڑ بیس لاکھ نفوس پر مشتمل آبادی والا شام، لیبیا سے بہت مختلف ہے جس کی ساٹھ لاکھ آبادی وسیع صحرا میں پھیلی ہوئی ہے۔ شامی فوج باصلاحیت ہے اور حکومت کو علوی اقلیت کے علاوہ شہروں میں رہنے والی سنی اکثریت کی بھی حمایت حاصل ہے۔ باغیوں کا زیادہ تر تعلق النصرہ فرنٹ، توحید اور فاروق بریگیڈز اور ایک عرب ملک کے حمایت یافتہ پچاس سے ساٹھ ہزار اسلامک فرنٹ سے ہے جو النصرہ، احرار الشام اور داعش (ISIS) کا مجموعہ ہے۔ داعش کے زیادہ تر جنگجوؤں کا تعلق شام کے پسماندہ دیہی علاقوں سے ہے۔

اگر ہمیں شام میں امن درکار ہے تو پھر شام میں تکفیری دہشت گردوں، نیٹو، خلیج تعاون کونسل اور اسرائیل کا گٹھ جوڑ ختم کرنا ہوگا۔ ایک لاکھ نوے ہزار شامی پہلے ہی جاں بحق اور لاکھوں بے گھر ہو چکے ہیں۔ اگر فوجی مداخلت بڑھائی گئی اور مزید جہادیوں کو تربیت اور اسلحہ فراہم کیا گیا تو حالات ناقابل تصور تباہی تک پہنچ جائیں گے۔ اس بربادی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ نیٹو، خلیج تعاون کونسل اور اسرائیل، نام نہاد اعتدال پسند جہادیوں کو مدد کی فراہمی روک دیں۔

شام کا تصادم ایک بلیک ہول (Blackhole) ہے جو پہلے ہی پورے مشرق وسطیٰ خصوصاً لبنان اور عراق کو نگل چکا ہے۔ ان دونوں ممالک کی آبادی سنی اور شیعہ مسلک کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔ اب ایک دانشمندانہ پالیسی اختیار کرنے کا وقت ہے، ایسی پالیسی جس کے تحت عسکریت اور تصادم میں کمی لائی جا سکے۔ اگر پہلے سے جاری روش میں مزید شدت پیدا کی گئی تو پورا خطہ آگ کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ آج ہم شام میں عراق کی جنگ (2003ء) کے نتائج بھگت رہے ہیں، شام کی جنگ کے جو اثرات نمودار ہوں گے ان کا بھی پیشگی ادراک کیا جا سکتا ہے۔ دولت اسلامیہ (داعش یا ISIS) پہلے ہی نصف عراق پر قابض ہو چکی ہے۔ ہمیں خطے کی جغرافیائی اور سیاسی حرکیات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ عراق، شام، سعودی عرب، لبنان، اردن، اور ترکی کی سرحدیں بہت نرم ہیں، انہیں عبور کرنا چنداں مشکل نہیں۔ اگرچہ ان ممالک کی حکومتوں کی عملداری شہروں میں مستحکم لیکن سرحدی

علاقوں میں بہت کمزور ہے۔ اگر ایک ملک کی حکومت جہادیوں پر کریک ڈاؤن کرنا چاہے تو وہ (جہادی) دوسرے ملک میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ ان ممالک کی سرحدی حالت پاکستان اورافغانستان جیسی ہے جسے کئی مقامات سے عبور کیا جا سکتا ہے۔

عراق کی جنگ کا محرک عموماً شیعہ سنی تصادم کو قرار دیا جاتا ہے۔ یہی صورت حال شام میں ہے۔ 07-2006ء میں کچھ عرصے کے لیے جہادی سرگرمیاں مدھم پڑیں لیکن شام میں حالات بگڑنے کے ساتھ ہی کئی سروں والے عفریت نے سر اٹھایا اور 2011ء اور اس کے بعد مشرق وسطیٰ کے علاوہ شمالی افریقہ، عرب بہار اور عسکری لڑائیوں کی زد میں آ گیا۔ اس وقت شام کا بیشتر اور عراق کا مغربی و شمالی علاقہ تکفیری جہادیوں کے کنٹرول میں ہے۔ مارچ 2011ء میں بشار الاسد حکومت کے خلاف احتجاج شروع ہوا تو 2013ء تک اسلامک سٹیٹ آف عراق اینڈ سیریا (ISIS) اور النصرہ فرنٹ ایک ہی تنظیم تھی۔ اپریل 2013ء میں النصرہ فرنٹ نے ISIS سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ابوبکر البغدادی نے اگست 2011ء میں شامی اور عراقی جہادیوں کو شام بھیجنا شروع کیا جنہوں نے ابومحمد الجولانی (یا الگولانی) کی سربراہی میں جنگجوؤں کی بھرتی شروع کر دی اور 23 جنوری 2012ء کو "جبہتہ النصرۃ الشام" تشکیل دینے کا اعلان کیا جس نے بعد میں النصرہ فرنٹ کے نام سے زیادہ شہرت پائی۔ شام کی اپوزیشن فورسز کی مدد سے النصرہ فرنٹ تیزی سے پھیلنے لگا۔ اپریل 2013ء میں ابوبکر البغدادی نے ایک ویڈیو بیان میں اعلان کیا کہ النصرہ فرنٹ (یا جبہتہ النصرہ) ISIS کا حصہ ہے لیکن ابومحمد الجولانی نے اس کی تردید کر دی۔ گویا الجولانی کی سربراہی میں النصرہ فرنٹ، ISIS کا ایک منحرف گروپ ہے اور اسلامک سٹیٹ (IS) دراصل ISIS یا ISIL ہی کا دوسرا نام ہے۔ امریکہ ISIS کو Islamic State of Iraq and Levant (ISIL) کہنا پسند کرتا ہے۔

ISIS کو امریکہ اور خطے میں اس کے اتحادیوں...... سعودی عرب، ترکی، قطر، متحدہ

عرب امارات، کویت اور اردن کی حمایت حاصل رہی۔ امریکہ نے النصرہ فرنٹ کو دسمبر 2012ء میں بلیک لسٹ کر دیا تھا۔ لہٰذا اگست 2011ء سے دسمبر 2012ء تک امریکہ، ISIS کی بالواسطہ مدد کرتا رہا جس نے شام کے شمالی اور مشرقی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ بشار الاسد کا نام کے شہری علاقوں پر کنٹرول مستحکم رہا اور شامی کرد ISIS کے خلاف لڑتے رہے اور گزشتہ برس انہوں نے ISIS سے کئی علاقے بھی آزاد کرا لیے تھے۔ یہاں ہمیں شام کے تصادم میں کرد عنصر کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ڈیموکریٹک یونین پارٹی (PYD) سے تعلق رکھنے والے شامی کرد، عراقی کردوں کے مخالف ہیں۔ مسعود برزانی کی سربراہی میں عراقی کرد مغرب نواز ہیں جبکہ شامی کرد ترکی کی کردستان ورکرز پارٹی (PKK) کے زیادہ قریب ہیں اور یہ دونوں گروپ امپیریالزم کے خلاف ہیں۔ بشار الاسد بھی اینٹی امپیریالزم اور صیہونیت کے مخالف ہیں اس لیے انہوں نے شامی کردوں کے ساتھ مل کر شامی مجاہدین (ISIS یا معتدل باغیوں) کے خلاف اتحاد بنا رکھا ہے۔ اگرچہ امریکہ، ترکی اور سعودی عرب نے اب ISIS کو ''دہشتگرد'' قرار دے دیا ہے لیکن اس طرح کے اقدامات سے ہم کس کو بے وقوف بنا رہے ہیں؟ آج کے دوست کل دشمن بن سکتے ہیں اور آج جو دشمن ہیں کل ہمارے دوست تھے۔ امریکہ نے دسمبر 2012ء میں ISIS اور النصرہ فرنٹ کو دہشت گرد تنظیمیں قرار دیا تھا اور اپنے سعودی اور ترک اتحادیوں سے بھی کہا تھا کہ وہ انہیں دہشت گرد قرار دے دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس فیصلے نے اسٹیبلشمنٹ سے وابستہ کارپوریٹ میڈیا کو ایک بیانیہ (Narrative) تشکیل دینے کا موقع فراہم کر دیا جبکہ خلیجی ریاستوں کو ان تنظیموں کی مدد کرنے سے نہ روکا گیا اور اب تمام تر الزام خلیج کے نجی مددگاروں (ڈونرز) پر عائد کیا جا رہا ہے۔ یہ غیر شناخت شدہ شیوخ ہیں جو اپنے ذاتی حیثیت میں رقوم فراہم کر رہے ہیں، لہٰذا ان پر ہاتھ بھی نہیں ڈالا جا سکتا۔

کارپوریٹ میڈیا عراق کی نور المالکی حکومت کو بھی ISIS کے ابھار کا ذمہ دار قرار دیتا

ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مالکی کا سخت گیر رویہ اور شیعہ نواز پالیسیوں کی وجہ سے عراقی سنی اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہے تھے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کی ہمدردیاں ISIS کو حاصل ہوئی ہوں۔ اس امکان کو اس بات سے بھی تقویت ملتا ہے کہ مقامی آبادی کی حمایت کے بغیر عسکریت ایک خاص سطح سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اگرچہ ISIS نے نصف عراق پر قبضہ شامی تصادم کے نتیجے میں ہی کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عراق اور شام کے جغرافیے میں کوئی خاص فرق بھی نہیں ہے۔ آپ غور سے نقشہ دیکھیں، مغربی عراق، مشرقی شام ہے اور مشرقی شام، مغربی عراق۔

لیکن کارپوریٹ میڈیا عراق میں ISIS کی کامیابی کو شام کے زاویے سے کیوں نہیں دیکھتا؟ کیا اس لیے کہ یہ گزشتہ ساڑھے تین سال بشارالاسد کو برا بھلا کہہ کر شام کی جنگ کا حامی رہا اور شامی مجاہدین کو "مجسم خیر" قرار دیتا جا رہا ہے۔ ایک لاکھ نوے ہزار بے گناہ شامیوں کی اموات کے باوجود مغربی میڈیا بشارالاسد کی مذمت اور باغیوں کو ہیرو بنا کر پیش کرتا رہا اور اب جب ISIS نے نصف عراق پر قبضہ کرلیا ہے تو اس کا ذمہ دار مالکی حکومت کو قرار دے دیا جا رہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بڑی طاقتیں، مشرق وسطیٰ میں اپنے تزویری مفادات کی خاطر کسی نہ کسی طرح دخل اندز ہوتی رہتی ہیں۔ اور پھر یہ اعتدال پسند شامی باغی کون ہیں جن کی "نااہل دید" موجودگی اور "قابل دید" فتوحات نے مغربی میڈیا کو شام کی آزادی کا بیانہ (Narrative) گھڑنے میں مدد دی؟ کیا یہ "آزاد شامی فوج" ہے؟ یہ شام کے کس علاقے میں سرگرم ہے؟

حلب تو احرار الشام اور توحید بریگیڈ کے موثر کنٹرول میں ہے، جنوب میں النصرہ فرنٹ اور اسلامک فرنٹ بروئے کار ہیں۔ اسلامک فرنٹ کئی جہادی گروپوں کا مجموعہ ہے اور اسی کو ایمن الظواہری نے شام میں القاعدہ کی آفیشل فرنچائز (باقاعدہ شاخ) قرار دیا ہے۔ دوسری جانب امریکہ، ترکی اور سعودی عرب نے سرکاری طور پر اسے دہشت گرد تنظیم قرار دے رکھا ہے لیکن غیر سرکاری طور پر یہی متحدہ گروپ (یعنی اسلامک فرنٹ) شام کی علوی

حکومت کے خلاف برسر پیکار ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ شمال اور مشرقی شام پہلے ہی ISIS کے کنٹرول میں ہے۔ آخر یہ آزاد شامی فوج کہاں لڑ رہی ہے؟ کسی ایک شامی شہر کا نام بتایئے جو اس کے کنٹرول میں ہو۔

سی آئی اے کے تخمینے کے مطابق ISIS کے جنگجوؤں کی کل تعداد عراق اور شام میں 20000 اور 31500 کے درمیان ہے۔ اس کے زیادہ تر جنگجو عرب ہیں۔ ان میں کئی ہزار سعودی اور باقی عراق، لبنان اور اردن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں ایک ہزار ترک جہادی بھی شامل ہیں۔ چند ہزار کا تعلق مصر، الجزائر اور لیبیا وغیرہ سے ہے۔ بعض اطلاعات کے مطابق میں ان میں چند سو یورپی اور امریکی جوان بھی شامل ہیں۔ امریکی صدر بارک اوباما اور وزیر خارجہ جان کیری نے تو قدامت پسندوں (نیو کانز) کی کتاب سے اپنے مطلب کا ایک صفحہ نکال لیا ہے۔ انہوں نے امریکی کانگریس سے مزید فنڈز طلب کیے ہیں جو ''اعتدال پسند شامی باغیوں'' کو مزید اسلحہ فراہم کرنے پر خرچ کیے جائیں گے اور انہیں اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ شامی حکومت اور جہادیوں کو شکست دے سکیں۔

یہ قارئین کا بھی امتحان ہے۔ لیکن وہ (امریکی) اپنے پیش روؤں کی طرح اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوں گے۔ ڈس انفارمیشن کا مارا ہوا قاری اس قدر مصروف ہوتا ہے کہ اسے دال روٹی کمانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ دوسری جانب مفاد پرستوں اور انصاف کا خون کرنے والوں کے ہاتھوں میں کارپوریٹ میڈیا کی شکل میں ایک طاقتور ہتھیار ہے جس کی مدد سے وہ ایک ایسی ''متوازی سچائی'' پیدا کر دیتے ہیں جہاں جنگ ایک انسانی خدمت اور پکے جہادی بے ضرر قسم کے ''شامی باغی'' نظر آنے لگیں۔

(بشکریہ: ایشیا ٹائمز آن لائن)

☆☆☆

"منصوبہ بند انتشار"

Julie Levesque

جیولی لیوس کیو

عراق ایک بار پھر شہ سرخیوں میں ہے۔ مغربی میڈیا میں عراق کی صورت حال کو بھرپور طور پر کور کیا جا رہا ہے مگر کوئی بھی مغربی میڈیا آؤٹ لیٹ یہ نہیں بتائے گا کہ امریکہ عراقی تنازع کے دونوں فریقوں کی بھرپور مدد کر رہا ہے۔ ایک طرف سے واشنگٹن سے عراقی حکومت کو مدد مل رہی ہے اور دوسری طرف اسلامک اسٹیٹ آف عراق اینڈ سیریا (آئی ایس آئی ایس) کو فنڈنگ بھی کی جا رہی ہے اور عسکریت پسندوں کو تربیت بھی دی جا رہی ہے۔ امریکی حکومت اگرچہ دہشت گردوں کی مدد کر رہی ہے مگر مغربی میڈیا آپ کو یہی بتائے گا کہ اوباما انتظامیہ کو عراق میں دہشت گردی پر تشویش ہے۔

امریکی اور یورپی میڈیا میں یہ بات زیادہ زور دے کر بیان کی جاتی ہے کہ عراق میں جو بھی خرابی ہے وہ امریکی انخلاء سے ہے۔ یعنی جب تک امریکی افواج عراق میں تعینات تھیں تب تک وہاں کوئی خرابی پیدا نہ ہوئی تھی اور دہشت گرد بھی قابو میں تھے۔ اور اب گویا دہشت گرد اور عسکریت پسند کچھ بھی کر گزرنے کے لیے آزاد ہیں۔ امریکہ نے عراق پر جو لشکر کشی کی اور وہاں مختلف گروپوں کی مدد سے جو قبضہ کیا اس کا موجودہ صورتحال سے موازنہ

کرنا عجیب ہے۔ امریکہ نے خصوصی دستے تیار کیے جنہوں نے امریکی افواج کو مدد دی۔ اب یہی دستے ملک کے حالات مزید خراب کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

مین اسٹریم میڈیا اب بھی حقائق چھپا رہا ہے۔ حقیقت کو آپ تک پہنچنے نہیں دیا جا رہا۔ تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ عراق میں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ میڈیا کے ذریعے صرف وہی تاثر پیدا کیا اور ابھارا جاتا ہے جو بڑی طاقتوں کے مفادات کو تقویت بہم پہنچاتا ہے۔ عراق میں جو کچھ اب کھل کر سامنے آ رہا ہے وہ دراصل "تعمیری انتشار" ہے جو پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے۔ امریکہ، یورپ اور اسرائیل نے بہت پہلے منصوبہ بنا لیا تھا کہ عراق میں شدید انتشار پھیلا کر اس کے ٹکڑے کر دیے جائیں گے۔ یہ منصوبہ لبنان، فلسطین، عراق، شام، خلیج فارس، ایران اور افغانستان تک شدید انتشار پھیلانے کا ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ یہ تمام ریاستیں شدید کمزور پڑیں اور ان کے حصے بخرے ہو جائیں۔ زیادہ سے زیادہ انتشار پیدا کر کے امریکہ، یورپ اور اسرائیل اس پورے خطے میں اپنی مرضی کے حالات چاہتے ہیں اور سرحدوں کا نئے سرے سے تعین بھی اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔

امریکہ، یورپ اور اسرائیل چاہتے ہیں کہ پوری عرب دنیا اور ایشیائے کوچک سے ہوتے ہوئے افغانستان اور ایران تک نقشے نئے سرے سے ترتیب دیے جائیں۔ مقصود یہ ہے کہ معاشی، سفارتی اور اسٹریٹیجک اہداف حاصل کیے جائیں۔ یہ سب کچھ ایک ایسے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے جو انتہائی دانش مندی اور باریک بینی سے تیار کیا گیا ہے تاکہ کہیں کوئی جھول باقی نہ رہے۔

امریکہ، اسرائیل اور یورپ (بالخصوص برطانیہ) کے ایجنڈے کی تکمیل میں علاقائی حکومتیں بھی معاونت کر رہی ہیں۔ ان میں سعودی عرب کی حکومت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ خطے کے بیشتر ممالک کو کمزور کیا جا رہا ہے تاکہ ان کی شکست و ریخت آسان ہو جائے۔

کسی بھی ملک کو تقسیم کرنے میں خانہ جنگی مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ بلقان کے خطے

میں اس کا تجربہ بڑی طاقتوں کو کامیابی سے ہمکنار کر گیا۔ سابق یوگوسلاویہ میں نسلی، ثقافتی اور مذہبی تنوع موجود تھا۔ اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے نفرتوں کو ہوا دی گئی۔ اس کے نتیجے میں سابق یوگوسلاویہ کو سربیا، بوسنیا، ہرزیگووینا، کروشیا اور مونٹی نیگرو میں تقسیم کرنے میں آسانی ہوئی۔ اب عراق کو بھی انہی خطوط پر تقسیم کرنے کی تیاری کی جارہی ہے۔ شیعہ، سنی اور کرد ریاست کا قیام معرض وجود میں لایا جاسکتا ہے۔ مسلح گروپ کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ ان کو امریکہ، انگلینڈ اور اسرائیل ہی کی طرف سے فنڈنگ کی جارہی ہے۔ شام ہو یا عراق، ہر جگہ مسلح گروپ میدان میں آچکے ہیں جو کسی بھی حالت میں اپنے مقاصد کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ شام میں آمریت اور عراق میں منتخب حکومت کے خلاف لڑائی جاری ہے۔

القاعدہ سے جڑے ہوئے گروپوں کو امریکی محکمہ دفاع اور خفیہ ادارے سی آئی اے نے خفیہ اثاثوں کے طور پر استعمال کیا ہے۔ شام میں النصرۃ اور آئی ایس آئی ایس مغربی طاقتوں کے پروردہ گروپ ہیں جنہیں فنڈز دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ حکومت کے خلاف لڑنے کی باضابطہ تربیت بھی دی گئی ہے۔ واشنگٹن نے عراق اور شام میں عمدگی سے لڑنے والے ایسے گروپ کو تیار کیا ہے جو بہتر لاجسٹک سیٹ اپ بھی رکھتا ہو تاکہ ضرورت کے مطابق نقل و حرکت ممکن ہو۔ عراق اور شام میں سرگرم سنی گروپ امریکی ایجنڈے کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ دونوں ممالک کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی منصوبہ بندی کی جاچکی ہے۔ ایک سنی ریاست معرض وجود میں لائی جائے، ایک عرب شیعہ جمہوریہ بنائی جائے اور آزاد کردستان کی راہ ہموار کی جائے۔

بغداد میں امریکی حمایت یافتہ حکومت امریکی اداروں سے جدید ترین اسلحہ خرید رہی ہے۔ ایف سولہ طیارے بھی فراہم کیے جارہے ہیں۔ دوسری طرف اسلامی اسٹیٹ آف عراق اور الشام کو بھی مغربی خفیہ اداروں کی حمایت حاصل ہے۔ انہیں فنڈز کے ساتھ ساتھ جدید ترین اسلحہ بھی فراہم کیا جارہا ہے۔

منظر نامہ یہ ہے کہ عراق اور شام میں تمام حکومت مخالف گروپوں کو بھرپور تیار کر کے میدان میں لایا جائے تا کہ فوج سے ان کا تصادم ہو اور یوں مغربی قوتوں کو ایجنڈے کے مطابق اہداف حاصل کرنے میں بھرپور مدد ملے۔

میڈیا کے ذریعے عوام کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ عراق اور شام میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ شیعہ سنی اختلافات کا شاخسانہ ہے۔ شیعہ سنی اخلافات کی پشت پر امریکی، برطانوی اور اسرائیلی ایجنڈا ہے۔ یعنی یہ کہ خطے کے چند بڑے ممالک کو مسلک، نسل اور زبان کی بنیاد پر تقسیم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سعودی عرب اور خطے میں دیگر حلیفوں سے مدد بھی لی جا رہی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں سعودی عرب اپنے اور مغرب کے مفادات کو تحفظ فراہم کر رہا ہے۔ اب تک تو یہی سامنے آیا ہے کہ مختلف ممالک میں نسلی، مسلکی اور لسانی بنیاد پر تفاوت اور اختلاف کو بڑھاوا دیا جائے تا کہ اندرونی لڑائی کا دائرہ وسیع ہو۔ سعودی حکومت اپنے اقتدار کو ہر حال میں بچانا چاہتی ہے۔ اسے ڈر ہے کہ عراق میں حقیقی جمہوری حکومت کا قیام اس کے اقتدار کے لیے سنگین ترین خطرہ بن کر ابھرے گا۔

2003ء میں صدام حسین کے اقتدار ختم ہونے کے بعد سعودی عرب کی حکومت عراق کے معاملے میں خاصی جارحانہ رہی ہے۔ سعودی عرب نے وزیراعظم نوری المالکی پر الزام عائد کیا ہے کہ اس نے ایران کو عراقی معاملات میں عمل دخل بڑھانے کی بھرپور آزادی دی ہے۔ عراق میں ایرانی اثر و نفوذ گھٹانے کی پالیسی کو سعودی عرب نے خفیہ رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ سعودی عرب نے عراق سے امریکی افواج کے انخلاء کی شدید مخالفت کی تھی کیونکہ اس کا موقف تھا کہ ایسا کیے جانے کی صورت میں عراق میں ایرانی اثر و نفوذ بڑھ جائے گا۔ دسمبر 2011ء میں سعودی عرب نے پالیسی تبدیل کرتے ہوئے شام میں حکومت کی تبدیلی کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کیا۔ شام میں بشار الاسد کی حکومت سعودی عرب کے رقیب ایران کی اتحادی ہے۔ سعودی عرب چاہتا ہے کہ شام میں حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ اس مقصد کا حصول یقینی بنانے کے لیے سعودی حکومت نے شام میں القاعدہ اور اس سے

جڑے ہوئے عسکریت پسند گروپوں کی بھرپور معاونت کی ہے۔ سعودی عرب نے عراق میں برسرِ پیکار سنی گروپوں کی بھی مدد کی ہے اور انہیں یہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ ان کا اصل میدان جنگ عراق نہیں، شام ہے۔

اس پورے معمے کا سب سے اہم جز واشنگٹن کی طرف سے دہشت گردوں کو بھرپور تعاون فراہم کرنا ہے۔ پال بریمر نے 2003ء اور 2004ء کے دوران عراق میں سول گورنر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ انہوں نے اس میعاد کی بنیاد پر ''مائی ڈیئر ایئر ان عراق'' کے عنوان سے کتاب بھی لکھی ہے جو بہت مختلف ہے۔ پال بریمر نے جب عراق انٹیلی جنس اور پولیس کو ختم کیا تو امریکی قبضے کی بھرپور حمایت کرنے والے گروپوں کی فنڈنگ شروع کی۔ ان گروپوں نے عراق کے طول و عرض میں انسانیت سوز مظالم ڈھائے۔ ان مظالم ہی کے باعث 2006ء اور 2007ء میں عراق کے طول و عرض میں قتل و غارت کا سلسلہ چلا تھا۔

پال بریمر کی گورنری کے عہد میں قابض افواج (جنیوا کنونشن کے طے کردہ اصولوں کے تحت) مقبوضہ علاقوں کے عوام کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام رہیں اور دوسری طرف اس قبضے کو مضبوط کرنے کے لیے دہشت گردوں اور جرائم پیشہ افراد کے گروپوں کو منظم کیا گیا۔ وزارت داخلہ اور اسپیشل کمانڈو فورسز کے ذریعے عراق میں ہزاروں بے قصور سویلینز کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

پال بریمر کے بعد عراق میں امریکی سفیر جان نیگرو پونٹے نے قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ انہوں نے 1980ء کے عشرے میں وسطی امریکہ میں بھی ایسا ہی کیا تھا۔ پال بریمر نے جو کام ادھورا چھوڑا تھا اسے جان نیگرو پونٹے نے مکمل کیا۔ جان نیگرو پونٹے نے قاتل دستوں کو بھرپور امداد فراہم کی۔ ان دستوں نے ملک بھر میں لاکھوں سویلینز کے قتل کی راہ ہموار کی۔ عراق کا بنیادی ڈھانچہ تباہ ہو گیا۔ معیشت برائے نام بھی نہ رہی۔ تیل کی پیداوار اور برآمد میں ایسا رخنہ پڑا کہ ملک تباہی کے دہانے تک پہنچ گیا۔ نیگرو پونٹے نے 1981ء

کے 1985ء تک وسطی امریکہ کے ملک ہونڈراس میں سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں۔ وہاں انہوں نے تربیت یافتہ قاتلوں کے دستے تیار کیے تھے عراق میں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کردوں اور شیعوں پر مشتمل ایسے دستے تیار کیے گئے جو عراق پر امریکی قبضے کے خلاف مزاحمت کرنے والے سنی رہنماؤں کو قتل کرنے پر مامور تھے۔ السلواڈور آپشن کے تحت امریکی اور عراقی افواج مزاحمت کرنے والے رہنماؤں کو قتل کرنے کے لیے شام کی حدود میں داخل ہونے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

شام میں حکومت کے خلاف لڑنے والوں کے پاس امریکی ہتھیار ہیں۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ امریکیوں کو اس کا علم یا اندازہ نہ تھا۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہوگا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنہیں پروان چڑھایا گیا ہوتا ہے وہی مفادات کے خلاف جانا شروع کر دیتے ہیں۔ امریکی پالیسی میکرز کو اندازہ تھا کہ ان کے دیئے ہوئے ہتھیار کسی حد تک انہی کے خلاف استعمال ہوں گے مگر خیر، امریکہ کو طویل المیعاد بنیاد پر اپنے مفادات کی زیادہ فکر لاحق تھی۔

بہت سے لوگوں کو ایسا لگتا ہے جیسے امریکی پالیسی میکرز بے وقوف ہیں یا یہ کہ امریکی پالیسی ناکام ہو چکی ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ دراصل امریکی پالیسی میکرز یہی چاہتے تھے کہ آپ یہ سمجھیں کہ مشرق وسطیٰ میں ان کی پالیسی ناکام ہو چکی ہے یا وہ بے وقوف ہیں۔ امریکہ نے مشرق وسطیٰ کے حوالے سے جو پالیسی اپنائی ہے وہ غیر جمہوری، مجرمانہ اور سفاک ہے۔ یعنی پہلے تو معاملات کو خوب خراب کیجیے اور قتل و غیرت کا بازار گرم ہونے دیجیے اور آخر میں ایک قدم آگے بڑھ کر خود ہی قانون کی بالادستی کی بات کیجیے تاکہ معاملات کو درست کرنے کی راہ کسی حد تک ہموار ہو۔

اندر کمار نے ''عراق: دی یو ایس اسپانسرڈ سیکٹیرین سول وار از اے وار آف ایگریشن'' میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے عراق پر جنگ مسلط کی ان کے خلاف سخت کارروائی ہونی چاہیے کیونکہ انہوں نے انسانیت کے خلاف جرم کا ارتکاب کیا۔ انہیں کسی بھی حالت میں

معافی نہیں ملنی چاہیے۔

"US-sponsored terrorism in Iraq and constructive chaos,in the Middle East" (**"globalresearch.ca", June 19,2014)**

☆☆☆

کرد مسلم خاتون کمانڈر

لولیٹا سی بیلڈ ور، بریڈ لے کلیپر

ترکی نے امریکہ اور اتحادی فورسز کو داعش (دولت اسلامیہ عراق وشام یا ISIS) کے خلاف اپنے اڈے استعمال کرنے کی اجازت دے دی ہے امریکہ کے دفاعی حکام کے مطابق یہ اڈے شام کی سرحد کے ساتھ 100 کلومیٹر کی حدود میں ہیں۔ ترکی کے ساتھ شام کے کئی ہزار اعتدال پسند باغیوں کو تربیت دینے کے بارے میں بھی بات چیت ہو رہی ہے لیکن لگتا ہے اس سے شام کے سرحدی شہر کوبانی میں جہاں شدید جنگ ہو رہی ہے، شہریوں کا قتل عام روکا نہیں جا سکے گا۔

اوباما انتظامیہ انقرہ پر زور دے رہی ہے کہ وہ ان انتہا پسندوں کے خلاف کلیدی کردار ادا کرے جو ترکی کے کچھ سرحدی علاقے سمیت شام اور عراق کے وسیع حصوں پر قابض ہو چکے ہیں۔ امریکی حکام نے تصدیق کی ہے کہ ترکی اپنی سرزمین پر شام کے اعتدال پسند جنگجوؤں کو تربیت دینے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ ترک حکومت کے ایک سینئر عہدیدار نے بھی کہا کہ ان جنگجوؤں کی تعداد چار ہزار ہوگی اور ان کا چناؤ ترکی کے خفیہ ادارے کریں گے۔ ترک حکام نے اس امر کی بھی تصدیق کی کہ ان کے ملک نے امریکہ اور اتحادی فورسز کو اپنے فضائی اڈوں سے داعش (آئی ایس آئی ایس) کے خلاف آپریشن کرنے پر آمادگی

ظاہر کر دی ہے۔ امریکہ کے وزیر دفاع چک ہیگل نے جو اس وقت جنوبی امریکہ کے دورے پر ہیں، کہا کہ امریکہ ترک اڈوں تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے کافی دنوں سے بات چیت ہو رہی تھی۔ انہوں نے ترکی کے فیصلے پر اطمینان ظاہر کیا۔ ترک حکام نے اڈوں کے استعمال کے بارے میں اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بات کی کیونکہ وہ امریکہ اور ترکی کے مابین ہونے والے مذاکرات کی تفصیلات افشا کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔

امریکی وزیر خارجہ جان کیری نے کرد شہر کوبانی میں انتہائی کشیدہ صورت حال کا اعتراف کیا قاہرہ میں میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کوبانی کا دفاع، دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم کا تعین نہیں کرتا۔ اس لڑائی میں کئی زیر و بم آئیں گے جو اس طرح کے تصادم کا معمول ہیں۔ جان کیری نے بتایا کہ داعش کے جنگجوؤں نے کوبانی کے کچھ حصوں پر قبضہ کر لیا ہے لیکن پورا شہر ان کے کنٹرول میں نہیں آیا۔ ادھر اقوام متحدہ نے خبردار کیا ہے کہ اگر کوبانی پر داعش کا قبضہ ہو گیا تو کردوں کا بڑے پیمانے پر قتل عام ہو گا۔ کیری نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اوباما انتظامیہ کی کارکردگی کے بارے میں منفی تاثر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ حقیقت پسندی سے کام لے رہا ہے، داعش ISIS پر تیزی سے قابو نہیں پایا جا سکتا۔ متعلقہ حکام کہہ چکے ہیں کہ اس میں کئی سال بھی لگ سکتے ہیں۔

امریکہ اور اتحادی فورسز کے جنگی جہاز کوبانی اور اس کے نواح میں درجنوں مقامات پر بمباری کر رہے ہیں۔ وہ داعش کے ہتھیاروں کے ذخیرے اور دوسرے ایسے اہداف کو نشانہ بنا رہے ہیں جس کے نتیجے میں جنگجو شہر سے باہر نکلنے پر مجبور ہوں۔ کوبانی کی جنگ گزشتہ مہینے کے آخری ہفتے میں شروع ہوئی تھی۔ داعش کے جنگجو فضائی بمباری کا مقابلہ کر رہے ہیں اور ان کے کمانڈروں کا کہنا ہے کہ وہ ہر صورت میں انہیں ناکام بنائیں گے۔

امریکہ کی سنٹرل کمانڈ کے مطابق امریکہ اور دو عرب ممالک کے جنگی طیاروں نے ہفتے

اور اتوار کو شام اور کوبانی کے چار مقامات پر بمباری کی جس سے داعش کے کئی ٹھکانے تباہ ہو گئے۔ اب امریکہ اس جنگ میں ترکی کو بھی کسی نہ کسی شکل میں شامل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ترکی اعتدال پسند جنگجوؤں کو تربیت دینے اور اڈے فراہم کرنے کے علاوہ کئی دوسرے معاملات میں بھی تعاون کرے۔ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ ان امور پر بات چیت جاری ہے جن کی تفصیلات فی الحال نہیں بتائی جا سکتیں۔ البتہ صدر اوباما کی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر سوسن رائس نے اتوار کے روز واضح کیا کہ امریکہ نے ترکی کو اپنی زمینی افواج شام بھیجنے کی درخواست نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ امریکی حکام ترکوں کے ساتھ کئی دوسرے طریقوں پر بات چیت کر رہے ہیں جن کے ذریعے وہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ دوہ پہلے ہی غیر ملکی جنگجوؤں کا شام میں داخلہ روکنے اور انتہا پسندوں کو ترکی کے راستے تیل کی سپلائی بند کرنے کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ ترکی اسی طرح کے کئی دیگر معاملات میں تعاون کر سکتا ہے۔

چک ہیگل نے اتوار کو ترکی کے وزیر دفاع عصمت یلماز کے ساتھ ٹیلی فون پر بات کی اور جنگ میں تعاون پر آمادگی کے لیے ان کا شکریہ ادا کیا۔ پینٹا گان کے پریس سیکرٹری ریئر ایڈمرل جان کیری نے کہا کہ وزیر دفاع چک ہیگل ترکی کے ذمہ دارانہ رویے کو تحسین کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ ترک حکومت مہاجرین کے مسائل اور بارڈر سکیورٹی کے معاملات سے جس مہارت سے نمٹ رہا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ ترکی اور نیٹو ممالک امریکہ پر زور دے رہے ہیں کہ شام کی فضائی حدود میں ''نوفلائی زون'' بنایا جائے جس سے ترکی کی سرحد کے ساتھ ساتھ شامی علاقے میں ایک ''محفوظ زون'' قائم ہو جائے جس میں امریکی اور ان کے پارٹنر فضائی پٹرولنگ کرنے کے ساتھ ساتھ زمینی علاقے کی بھی حفاظت کر سکیں۔ چیک ہیگل بھی کہہ چکے ہیں کہ امریکی لیڈر محفوظ زون کے قیام پر غور کر رہے ہیں لیکن ابھی اس آپشن پر عملی اقدامات نہیں کیے جا رہے۔

جان کیری نے قاہرہ میں مصر کے وزیر خارجہ سمیع شوکری کے ہمراہ نیوز کانفرنس میں کہا

کہ کوبانی میں ایک کمیونٹی آباد ہے اور جو کچھ وہاں ہو رہا ہے وہ افسوسناک ہے۔ داعش کے خلاف جنگ کا بنیادی فوکس عراق میں ہے جہاں امریکہ، عراق کی سکیورٹی فورسز کی مدد کر رہا ہے جو جنگجوؤں کے ساتھ لڑائی میں کئی مقامات پر پسپا ہو گئی تھیں۔ شام میں امریکہ نے انتہا پسندوں کا انفراسٹرکچر تباہ کرنے اور ان کی آمدنی کے ذرائع مسدود کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ امریکہ کے جائنٹ چیفس آف سٹاف کے چیئرمین جنرل مارٹن ڈمپسی نے کہا ہے کہ شام میں داعش کے حملوں اور شامی فضائیہ کی بمباری سے محفوظ رہنے کے لیے سینکڑوں جنگی طیارے اور ماہانہ ایک ارب ڈالر درکار ہوں گے، اس کے باوجود شام کی خانہ جنگی کے خاتمے اور میدان جنگ کی صورت حال میں تبدیلی کی یقین دہانی نہیں کرائی جا سکے گی، تاہم مستقبل میں اس طرح کے انتظامات کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

کوبانی کی جنگ کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ کرد جنگجوؤں کی قیادت ایک خاتون کر رہی ہے۔ ایجنسی فرانس پریس کے مطابق کردش پیپلز پروٹیکشن یونٹس (وائی پی ڈی) کی کمان میسا عبدو عرف نارین آفرین اور محمود برخودان کے ہاتھ میں ہے۔ شام کے شمال اور شمال مشرقی علاقے میں کرد آباد ہیں جنہوں نے اپنی حفاظت کے لیے مذکورہ مسلح گروپ قائم کر رکھا ہے۔ اس کا رجحان بائیں بازو کے نظریات کی طرف ہے۔ داعش کے جنگجوؤں نے 16 ستمبر کو کردوں کے مرکزی شہر کوبانی پر حملہ کیا تو وائی پی ڈی نے اپنا دفاع شروع کر دیا۔ چالیس سالہ میسا عبدو کو زیادہ تر نارین آفرین کے عرفی نام سے پکارا جاتا ہے۔ آفرین ان کے آبائی شہر کا نام ہے جو صوبہ حلب میں واقع ہے۔ کوبانی کے ایک سیاسی کارکن مصطفیٰ نے بتایا کہ آفرین ایک مہذب، ذہین اور بہادر خاتون ہے وہ اپنے جنگجوؤں کی ذہنی حالت کا خیال رکھتی اور ان کے مسائل بھی حل کرتی ہے کردوں کی جنگجو فورس میں خواتین کا شامل ہونا عام بات ہے۔ ترکی اور عراق کے کرد فورسز میں بھی ان کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔

5 اکتوبر کو کوبانی شہر کے باہر ایک نوجوان کرد خاتون آرین مکران نے خودکش حملہ کر کے داعش کے درجنوں جنگجوؤں کو ہلاک کر دیا تھا۔ 2011ء میں شام کا تصادم شروع

ہونے کے بعد مکران پہلی خاتون تھی جس نے داعش پر خودکش حملہ کیا۔شام کی سرکاری فوج 2012ء کے وسط میں کرد علاقے سے واپس چلی گئی تھی جس کے بعد کردوں نے لوکل کونسلیں تشکیل دیں جن میں 40 فیصد نشستیں خواتین کے پاس ہیں۔

بشکریہ: واشنگٹن پوسٹ،10 نومبر 2014ء

☆☆☆

ناکامی کے اسباب

پیٹرک کاک برن

مغربی حکومتوں نے 2011ء میں تعلقات عامہ کے جو حربے لیبیا میں استعمال کیے وہ عراق میں استعمال کیے گئے حربوں کے بالکل الٹ تھے۔ لیبیا کے قائد معمر قذافی کی حکومت کو گرانے کے لیے سرگرم گروہوں کو، جن کی پشت پناہی نیٹو میں شامل مغربی ملک کر رہے تھے، القاعدہ سے مماثل قرار دیا گیا تو مغربی ملکوں نے یہ تصور مسترد کر دیا اور کہا کہ صرف وہ جہادی خطرناک ہیں جن کا تعلق اسامہ بن لادن کی زیر قیادت القاعدہ کی، مرکزی تنظیم سے ہے۔ لیکن ستمبر 2012ء میں بن غازی میں جہادی لڑاکوں نے امریکی سفیر کرس سٹیونز کو قتل کر دیا تو یہ جواز جھوٹا ثابت ہو گیا۔ یہ وہی لڑاکے تھے جن کے قذافی مخالف شورش میں کردار کی ستائش مغربی حکومتیں اور ذرائع ابلاغ کر رہے تھے۔

1996ء کے بعد کے پانچ برسوں میں افغانستان میں القاعدہ کے تربیت یافتہ کارکن، وسائل اور کیمپ موجود رہے لیکن 2001ء میں طالبان کو اقتدار سے نکال دیے جانے کے بعد انہیں نیست و نابود کر دیا گیا اور القاعدہ کا نام صرف ایک نعرہ بن کر رہ گیا۔ اس کے بعد اسلامی ریاست کے قیام، شریعت کے نفاذ، اسلامی اقدار کے احیاء، عورتوں کو چار دیواری تک محدود رکھنے اور مخالف مسلک والے مسلمانوں کو واجب القتل تصور کرنے جیسے عقائد

اور نظریات رکھنے والے گروہوں کو "القاعدہ" کہا جانے لگا۔ اپنی ذات کی قربانی اور شہادت اس فلسفے میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اس نظریے کی بنیاد پر غیر تربیت یافتہ لیکن جنونی لوگوں کو خودکش بمباروں کے طور پر استعمال کیا گیا۔

یہ بات بھی ہمیشہ امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں کی حکومتوں کے حق میں رہی ہے کہ القاعدہ کو اس طرح سے پیش کیا جائے جیسے وہ نہایت مستحکم کمانڈ اور کنٹرول کی حامل "دمنی پینٹا گون" یا گاڈ فادر سیریز کی فلموں میں دکھائی جانے والی امریکی مافیا ہو۔ القاعدہ کا یہ تصور عوام کے لیے تسلی بخش تھا کیونکہ منظم گروہ جتنے بھی شر انگیز ہوں، ان کے کارندوں کو تلاش کر کے انہیں قید میں ڈالا یا موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔ زیادہ خوف انگیز حقیقت یہ تھی کہ یہ ایک ایسی تحریک ہے جس سے تعلق رکھنے والے لڑنے کے لیے اپنے آپ کو خود پیش کر دیتے ہیں اور کسی بھی جگہ رونما ہو سکتے ہیں۔

اسامہ بن لادن کا بنایا ہوا گروہ جسے نائن الیون تک القاعدہ نہیں کہا جاتا تھا، بارہ سال پہلے سرگرم بہت سے گروہوں میں سے محض ایک گروہ تھا لیکن آج اس کے تصورات اور حربے جہادیوں میں مقبول ترین ہیں کیونکہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی، عراق میں جنگ اور واشنگٹن کی طرف سے اسے امریکہ مخالف تمام تر شر کا سرچشمہ قرار دینے کے باعث اس کا مقام و مرتبہ سب گروہوں سے بڑھ چکا ہے اور یہ سب سے زیادہ مقبول ہو چکی ہے۔ اب کوئی گروہ مرکزی القاعدہ سے منسلک رہا ہو یا نہ رہا ہو، اس کے نظریات میں فرق کم ہو رہا ہے۔ ایک ترک مبصر نے نائن الیون اور مختلف شامی جہادی باغیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ "نائن الیون کے حملوں پر یہ لوگ جوش و جذبے کا اظہار کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ میں ایک بار پھر ایسے ہی حملے کیے جائیں گے۔"

یہ امر باعث حیرت نہیں کہ مغربی حکومتیں القاعدہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ القاعدہ کے معروف ارکان اور اتحادیوں کو ہلاک کر کے دعویٰ کرتی ہیں کہ وہ کارہائے نمایاں انجام دے رہی ہیں۔ اکثر ہلاک ہونے والوں کے عسکری عہدے بیان

کیے جاتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی ہلاکت کو ایک کارنامے کے طور پر ظاہر کیا جائے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نقطہ عروج 2011ء میں پاکستان کے شہر ایبٹ آباد میں اسامہ بن لادن کی ہلاکت تھی۔ اس کی بنیاد پر امریکی صدر بارک اوباما نے اپنے آپ کو ایسا عظیم رہنما بنا کر پیش کیا جس کے احکامات کے تحت القاعدہ جیسی خطرناک ترین تنظیم کے سربراہ کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ عملی حقیقت یہ ہے کہ اسامہ بن لادن کی موت سے القاعدہ جیسے جہادی گروہ پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ یہ مسلسل توسیع پذیر ہے۔

عراق اور شام میں جہادیوں کا ابھار سب سے زیادہ حیران کن تھا لیکن وہ افغانستان، لیبیا، صومالیہ اور حالیہ مہینوں میں لبنان اور مصر میں بھی سامنے آ چکے ہیں۔ عراق میں یہ امر امریکہ کی انتہائی تذلیل ہے کہ 4500 فوجی کھونے کے بعد بھی فلوجہ پر القاعدہ کے سیاہ پرچم لہرا رہے ہیں۔ 2004ء میں امریکی میرینز نے اس پر قبضہ کیا تھا تو بڑی شیخیاں بگھاری تھیں۔ سنی آبادی والے عراق میں سب سے بڑی تحریک آئی ایس آئی ایس تین برسوں سے اپنا اثر ونفوذ بڑھا رہی ہے۔ یہ عراق کے تیسرے شہر موصل کے لوگوں سے ٹیکس اور ان کے تحفظ کا معاوضہ وصول کرتی ہے جس کی ماہانہ مالیت اسی لاکھ ڈالر کے قریب ہے۔ یہ رقم شام میں باغیوں اور عراقی سنیوں پر صرف کی جاتی ہے۔ دسمبر 2012ء میں سنیوں نے پرامن مظاہرے شروع کیے تھے لیکن وزیراعظم نوری المالکی نے انہیں برداشت نہ کیا اور گزشتہ اپریل میں ایک کیمپ کے اندر متعدد افراد کو ہلاک کر دیا گیا جس سے پرامن احتجاج مسلح مزاحمت میں بدل گیا۔

گزشتہ موسم گرما میں آئی ایس آئی ایس نے ابوغرائب جیل پر حملہ کر کے اپنے سینکڑوں رہنماؤں اور تجربہ کار لڑاکوں کو آزاد کروا لیا تھا۔ گزشتہ سال اس نے بم حملے کر کے 9500 شہریوں کو ہلاک کیا۔ 2008ء کے بعد ہونے والی یہ سب سے زیادہ ہلاکتیں تھیں۔

انسٹی ٹیوٹ فار دی سٹڈی آف وار کی جیسیکا ڈی لیوئس نے 2013ء میں اس تحریک

کے بارے میں لکھا کہ ''عراق میں سرگرم القاعدہ انتہائی طاقتور، ہر طرح کے حالات میں قائم رہنے کی اہل اور بااستعداد تنظیم ہے جو بصرہ سے شام تک کارروائیاں کر سکتی ہے۔''

شام میں جبتہ النصرہ کی اصل بانی آئی ایس آئی ایس ہے جو 2012ء کے اوائل میں قائم کی گئی۔ ایک سال بعد جبہتہ النصرہ پر اپنی گرفت دوبارہ مستحکم کرنے کے لیے اس نے اسے ایک وسیع تر تنظیم میں شامل کیا جو شام اور عراق دونوں ملکوں میں سرگرم ہے۔ اس سال کے آغاز میں جہادیوں کے مابین خانہ جنگی برپا ہوگئی اور یہ دونوں تنظیمیں باہم برسر پیکار ہو گئیں۔ جہادیوں کی اس خانہ جنگی میں ایک طرف آئی ایس آئی ایس ہے جو اپنی سفاکی اور طاقت پر اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے حوالے سے بدنام ہے۔ دوسری طرف دوسرے جہادی گروپ ہیں۔ فری سیرین آرمی (ایف ایس اے) قدرے زیادہ سیکولر تنظیم ہے جو اب محدود ہوگئی ہے۔

اب مسلح کارروائیوں پر ایسے گروہوں کا غلبہ ہے جو اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں، غیر ملکی لڑاکوں کو قبول کرتے ہیں اور شام میں آباد اقلیتوں بالخصوص علویوں اور عیسائیوں کے قتل عام کے سفاکانہ ریکارڈ کے حامل ہیں۔ اس ضمن میں اسلامک فرنٹ کی مثال دی جا سکتی ہے جو ایک نو قائم شدہ تنظیم ہے۔ یہ شامی حکومت کی مخالف تنظیموں کا ایک طاقتور اتحاد ہے جسے ترکی اور قطر کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہ آئی ایس آئی ایس سے برسر پیکار ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ فرقہ وارانہ قتل و غارت میں ملوث نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ شریعت کے سخت اطلاق پر زور دیتی ہے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ جمعہ کی نماز ادا نہ کرنے والوں کو سرعام کوڑے مارے جانے چاہئیں۔ شامی گروہوں نے شمال مشرقی شام پر قبضہ کر رکھا ہے، سوائے اس حصے کے جس پر کرد قابض ہیں۔ اس وسیع علاقے میں حکومت کی عملداری محض چند چوکیوں تک محدود رہ ہے۔

جن فیصلوں کے نتیجے میں القاعدہ نیست و نابود ہونے سے بچی اور بعد ازاں توسیع پا گئی، وہ نائن الیون والے حملوں کے محض چند گھنٹے بعد ہی کر لیے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ

ان حملوں کی پشت پناہی ایک اہم مسلم ملک نے کی تھی۔ اسامہ بن لادن اپنے ملک کی اشرافیہ کا ایک رکن تھا اور اس کے والد اپنے ملک کے حکمران کے قریبی رفقاء میں شامل تھے۔ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ نائن الیون کے حملوں میں استعمال ہونے والے ہوائی جہاز اغوا کرنے والے انیس اغوا کنندگان میں سے 15 کا تعلق اسی ملک سے تھا۔ نائن الیون والے حملوں کی سرکاری رپورٹ میں سی آئی اے کی 2002ء کی ایک رپورٹ کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ القاعدہ کا مالی انحصار بہت سے عطیات دہندگان اور بنیادی طور پر خلیج کے ملکوں پر تھا۔ یہ رپورٹ تیار کرنے والے تفتیش کنندگان نے ان ممالک سے معلومات حاصل کرنے کی کئی بار کوشش کی لیکن انہیں مطلوبہ معلومات تک رسائی دینے سے انکار کر دیا گیا۔ اس کے باوجود صدر جارج ڈبلیو بش نے ایک عرب ملک کو مذکورہ واقعات کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ نائن الیون کے چند دن بعد ہی اسامہ بن لادن کے رشتہ داروں سمیت کئی عرب باشندوں کو امریکہ سے روانہ کیا گیا۔ اہم بات یہ ہے کہ نائن الیون کمیشن کی رپورٹ کے جن اٹھائیس صفحات میں حملہ آوروں اور عرب ملک کے تعلق کے بارے میں حقائق درج تھے، انہیں رپورٹ سے الگ کر دیا گیا تھا اور آج تک شائع نہیں کیا گیا! حالانکہ صدر بش نے ایسا کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ بہانہ قومی سلامتی کا بنایا گیا۔

حالیہ مہینوں تک عرب دنیا میں معاملات زیادہ تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ نائن الیون والے حملوں کے آٹھ سال بعد 2009ء میں امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن نے ایک تار میں شکایت کی تھی کہ "پوری دنیا میں سرگرم ایک مسلک کے حامی دہشت گرد گروہوں کو وہاں موجود عطیات دہندگان سے رقوم مل رہی ہیں۔" یہ تار وکی لیکس نے افشا کی تھی۔ اس کے علاوہ امریکہ اور یورپی ملکوں نے ان مبلغین سے بھی صرف نظر کیا جو سیٹلائٹ ٹی وی، یو ٹیوب اور ٹوئٹر کے ذریعے ایک مسلم مسلک کے ماننے والوں کو کافر قرار دے کر انہیں قتل کر دینے کی ترغیب دیتے رہے۔ اس دوران عراق میں القاعدہ کے بم حملوں میں اس مسلک کے ماننے والے ہلاک ہوتے رہے۔ 2009ء میں ہی امریکہ کے محکمہ خارجہ کی ایک

دوسری تار میں بتایا گیا کہ ایک سرگرم عمل گروہ غیر سنی مسلمانوں کے خلاف انتہائی عصبیت کا ریکارڈ رکھتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جنوبی ایشیا کا ایک ملک جہادی تحریک کا دوسرا سرپرست اعلیٰ تھا۔ جب 2001ء میں امریکی بمباری کے باعث طالبان منتشر ہوئے تو شمالی افغانستان میں ان کی دشمن فوجوں نے انہیں گھیر لیا تھا۔ ان کے ہتھیار ڈالنے سے پہلے بے شمار تربیت دہندگان اور مشیران ہوائی جہازوں کے ذریعے وہاں سے نکل گئے۔ واشنگٹن نے پاکستان سے ٹکر لینے سے گریز کی اور 2003ء کے بعد طالبان کے احیا کا دروازہ کھولا جسے امریکہ اور نیٹو پھر روک نہ پائے کہا جاتا ہے کہ القاعدہ، طالبان اور دوسرے جہادی گروہ امریکہ کے کچھ ممالک کے ساتھ عجیب و غریب اتحاد کی پیداوار ہیں۔ اگر یہ اتحاد موجود نہ ہوتا تو نائن الیون کا واقعہ رونما نہ ہوا ہوتا کیونکہ امریکہ اور برطانیہ نے ان ممالک سے اتحاد توڑنے کو رد کر دیا اس لیے نائن الیون کے بعد انتہا پسندی نہ صرف باقی رہی بلکہ فروغ پاتی رہی۔

ایک مختصر وقفے کے بعد عراق اور افغانستان میں ہونے والی جنگوں اور 2011ء کے عرب ابھار سے پیدا ہونے والی افراتفری کا فائدہ جہادی تحریک نے اٹھایا اور دھماکہ خیز انداز سے توسیع پاتی چلی گئی۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کو بارہ برس ہو چلے ہیں لیکن یہ واضح طور پر ناکامی سے دوچار ہو چکی ہے۔ القاعدہ کی طرز کے جہادی جو پہلے افغانستان میں چند کیمپوں تک محدود تھے، آج مشرق وسطیٰ کے عین قلب میں پورے پورے صوبوں پر حکمران ہو چکے ہیں۔

(انڈی پینڈنٹ)

☆☆☆

سعودی عرب کا کردار

ہنکس میکوول

سعودی عرب کے نقطہ نظر سے شام کے صدر بشار الاسد کے خلاف جنگ، مشرق وسطٰی کے مستقبل کے لیے بہت ضروری ہے جو لازمی طور پر لڑی جانی چاہیے مگر اس میں اس کے جوان (سعودی) شریک نہ ہوں۔ ایک دہائی قبل افغانستان اور عراق کی جنگ سے واپس آنے والے جہادیوں کے القاعدہ میں شامل ہونے کے تجربے سے ڈرا ہوا ریاض اب کوشش کر رہا ہے کہ سعودی جوان، عسکری سرگرمیوں کے لیے بھرتی نہ ہونے پائیں: حالانکہ وہ شام کے باغیوں کو اسلحہ اور فنڈز فراہم کر رہا ہے۔

سعودی عرب کے مقامی میڈیا نے فہد الزیدی نامی ایک سعودی کو زبردست کوریج دی جو دھوکے میں آ کر سنی مسلمانوں کی آزادی کی بجائے ان کے خلاف لڑتا رہا۔ عرب نیوز اور دوسرے سعودی میڈیا نے اس کے ان ریمارکس کو نمایاں طور پر پیش کیا کہ ''جو شخص دولت اسلامیہ (داعش) کے بارے میں کوئی اعتراض کرتا تو اسے دوسروں سے جدا کر دیا جاتا اور اسے دوسروں سے رابطہ کرنے کی اجازت نہ دی جاتی۔ ہم نے دن اور راتیں بھٹکتے ہوئے گزاریں، ہمیں چند افراد کے ایک گروہ نے بے وقوف بنائے رکھا''۔

چونکہ اکثر سنی باغی گروپ بشار الاسد کی فوج کے خلاف لڑنے کی بجائے ایک دوسرے

کی خلاف برسر پیکار رہتے ہیں، اس لیے سعودی عرب کا خیال ہے کہ شام کی جنگ خود شامیوں کو لڑنی چاہیے۔ وہ سعودی باشندے جو اپنی وفاداری السعود خاندان سے تبدیل کر کے دولت اسلامیہ (داعش) کی خلافت کے لیے وقف کر دیتے ہیں وہ سعودی حکومت کے لیے ایک خطرہ بن جاتے ہیں۔ اپنے سابق تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سعودی عرب کی بادشاہت جہادیوں کی بھرتی روکنے کے لیے علماء اور میڈیا کو بڑی دانشمندی سے استعمال کر رہی ہے۔ فروری میں ایک شاہی حکم نامہ جاری کیا گیا جس کے تحت بیرون ملک جنگ کے لیے جانے والوں، اس ضمن میں دوسروں کی مدد کرنے والوں یا داعش اور القاعدہ و النصرہ فرنٹ کو مالی و اخلاقی معاونت فراہم کرنے والوں کو قید کی سزا دینے کا اعلان کیا گیا۔ اس حکم کے تحت اب تک کئی افراد کو سزائیں دی جا چکی ہیں۔ سعودی سلطنت کے مفتی اعظم سمیت بزرگ علماء کی کونسل، اپنے فتاویٰ اور مواعظ میں جنگجو گروپوں کی بار بار مذمت کر چکے ہیں کچھ بڑے سرکاری علماء شام کی جنگ کو جہاد قرار دے چکے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ جنگ سعودیوں کو نہیں بلکہ خود شامیوں کو لڑنی چاہیے۔ اس کے باوجود کئی نوجوان داعش اور دوسرے گروپوں میں شامل ہو چکے ہیں حکام کے مطابق ان کی تعداد 2500 ہے لیکن وہ یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

پچھلی جنگوں کی طرح اب جنگجوؤں کو سوشل میڈیا سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ ترکی چلے جاتے ہیں جہاں سے انہیں شام یا عراق کے محاذ پر بھیج دیا جاتا ہے کچھ جنگجو کسی متعلقہ فرد کا ٹیلی فون نمبر حاصل کر کے سیدھے شام یا عراق جا کر جنگ کرنے لگتے ہیں۔ ایک سعودی نوجوان سلمان کا بھائی ترکی کے راستے شام گیا، اسے آن لائن رابطے کے ذریعے بھرتی کیا گیا تھا۔ سلمان نے ایک ٹیلی فون انٹرویو میں بتایا کہ "اس کے بھائی کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا تھا، وہ درست نہ نکلا، وہاں کی صورت حال بہت خراب تھی اسے خون ہی خون دیکھنے کو ملا جب وہ واپس آیا تو وہ بدل چکا تھا"۔ ریاض کے ایک مرکز میں علماء سے عسکریت کے خلاف درس دلائے جاتے ہیں۔ ماہرین نفسیات نوجوانوں کے رویوں کا

جائزہ لیتے ہیں۔ان کے لیے ملازمتوں اور شادی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے تاکہ وہ معمول کی سماجی زندگی کی جانب لوٹ آئیں۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ گزشتہ جہادی جنگجوؤں میں عالمی سطح پر مسلمانوں کو یکجہتی پیش نظر تھی۔حکام کا خیال تھا کہ اس سے بادشاہت مخالف سیکولر سوچ کمزور کرنے میں مدد ملی گی چنانچہ 1980ء کی دہائی میں شاہی شاندان نے افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جنگ کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔اس وقت علماء جہادیوں کی بھرتی کیا کرتے تھے۔ہوسکتا ہے کہ سعودی سلطنت میں کسی دوسری وجہ سے نوجوان عسکری سوچ کی جانب زیادہ مائل ہو جاتے ہیں۔2003ء میں امریکہ کی قیادت میں عراق پر حملہ ہوا جس کے نتیجے میں سنی صدر صدام حسین کی حکومت ختم ہوئی اوران کی جگہ شیعوں کی سربراہی میں نئی حکومت قائم ہوئی۔ سعودیوں سمیت بہت سے سنی نوجوانوں میں یہ سوچ ابھری کہ ان کے مسلک کے اسلام کو نقصان پہنچایا جارہا ہے۔عراق میں چار سال جنگجوؤں کے شانہ بشانہ جنگ کرنے والے عیاض العتزی نے کہا کہ ”جب میں نے ٹیلی ویژن پر دیکھا کہ میرے مسلمان بھائیوں کو مدد کی ضرورت ہے تو میں ان کے ساتھ جا ملا“۔اس کے خاندان نے اسے واپس آنے کے لیے کہا لیکن وہ 2005ء سے 2009ء تک عراق میں برسرپیکار رہا۔

اب داعش بھی جنگجوؤں کی واپسی روکنے کے لیے جوابی حربے اختیار کررہی ہے۔ایک تازہ ویڈیو میں ایک نوجوان ابوحجر الجزراوی اپنے والدین سے مخاطب ہوکر کہہ رہا تھا کہ وہ اسے واپس آنے کا کہہ کر غلطی کررہے ہیں۔اس نوجوان کو خودکش حملے کے لیے تیار کیا جارہا تھا۔تمام سعودی خاندان اپنے بچوں کی موت کی وجہ سے پریشان نہیں ہوتے۔ایک دہائی پہلے وہ اپنے جوانوں کی شہادت پر خوش ہوتے تھے اور لوگ انہیں مبارکبادیں پیش کیا کرتے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہوتا۔یہ واضح نہیں ہے کہ اب ان کے رویے بدل گئے ہیں یا وہ سکیورٹی سروسز سے خوف زدہ ہیں۔اس تمام ترصورت حال کے باوجود زیرزمین بھرتیاں جاری ہیں اور یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کون شام یا عراق جارہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ

اب جہادی کمیونٹی اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتی۔ وہ پہلے کی طرح آن لائن سرگرمیوں سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔

اگست میں حکام کو خفیہ طور پر اطلاع دی گئی کہ ریاض سے 160 کلومیٹر دو صحرائی قصبے تمیر کی دو مساجد میں جہادیوں کو بھرتی کیا جارہا ہے چنانچہ دو آئمہ مساجد علی السلوم اور حماد الرئیس کے علاوہ مزید چھ افراد کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقامی جہادی نیٹ ورک تاحال خطرہ بنے ہوئے ہیں اور سعودی سماج ان سرگرمیوں کو پسند نہیں کرتا۔ خبر رساں ایجنسی رائٹر نے تمیر کی دو مساجد میں جہادیوں کی بھرتی کیا جارہا ہے چنانچہ دو آئمہ مساجد علی السلوم اور حماد الرئیس کے علاوہ مزید چھ افراد کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقامی جہادی نیٹ ورک تاحال خطرہ بنے ہوئے ہیں اور سعودی سماج ان سرگرمیوں کو پسند نہیں کرتا۔ خبر رساں ایجنسی رائٹر نے تمیر کے باشندوں سے بات چیت کے لیے رابطہ کیا لیکن کوئی بھی شخص اس حساس موضوع پر بولنے کو تیار نہ ہوا۔ بنیاد پرستی کے خلاف کام کرنے والے مرکز کے ماہر نفسیات علی الافنان نے بتایا کہ اب حکام بہت مشکل میں ہیں، اس لیے کہ جہادی نیٹ ورک یوٹیوب کے ذریعے روابط بڑھا رہے ہیں۔ وہ دوسری مسلمان ممالک کے علاوہ مغرب میں بھی جنگجو بھرتی کررہے ہیں۔

سعودی عرب نے شامی جنگجوؤں کی ماؤں کو ٹیلی ویژن پر اپنا دکھ ظاہر کرنے کا اہتمام کیا۔ ایک خاتون ام محمد اپنے سترہ سالہ بیٹے کے جنگجو بننے پر جہادیوں کو بددعائیں دے رہی تھی۔ ٹی وی پروگرام کے میزبان داؤد شیریان نے بتایا کہ سعودی حکومت ان کوششوں کو تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے کیونکہ ام محمد کا بیٹا اپنی ماں کو دیکھ کر واپس آگیا تھا۔ بعد میں بیٹے نے اسی پروگرام میں بتایا کہ وہ شام کے ایک مبلغ کا آن لائن وعظ سن کر جہاد کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ وہ اکیلا ترکی گیا اور ایک سمگلر کو رقم دے کر سرحد پار کی لیکن شام جا کر اسے مایوسی ہوئی کیونکہ اس کے گروپ کے کئی باغی شراب تک پیتے تھے۔

(نیویارک ٹائمز)

بغدادی خلافت کے عالمی مضمرات

(مضمون نگار راجندر کمار سابق ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو اور مشرق وسطیٰ میں خدمات سرانجام دے چکے ہیں)

ابوبکر البغدادی اور اس کے پیروکاروں کے اعلان خلافت کے مضمرات کا مکمل ادراک عالمی برادری خصوصاً مسلم دنیا ابھی تک کرنے میں ناکام ہے۔ معنوی اعتبار سے غلافت کا دائرہ اختیار صرف ان علاقوں تک محدود نہیں جو اس وقت آئی ایس آئی ایس کے قبضے میں ہیں، نہ مسلم دنیا ملکوں تک محدود ہے بلکہ پوری دنیا اس کے دائرہ اختیار میں آتی ہے۔ اس لیے آئی ایس آئی ایس کو "خلافت بغدادیہ" کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ البغدادی کو خلافت کا امیر قرار دے کر دراصل دیگر جہادی تنظیموں کو چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ نئی خلافت تسلیم کر کے اس کی اطاعت قبول کریں وگرنہ مقابلے کے لیے تیار رہیں۔ القاعدہ کے ایمن الظواہری کو جہادی تنظیموں کے قیادت کے سلسلے میں سخت مخاصمت کا سامنا کرنا ہے۔ ایک قابل ذکر علاقے پر قبضے اور بے پناہ مالی وسائل کی وجہ سے امکان ہے کہ مختلف سنی جہادی گروپوں کے جنگجو خلیفہ البغدادی کے ساتھ مل جائیں گے، علاوہ ازیں دنیا بھر میں سرگرم کچھ دہشت گرد اسلامی گروپ اپنی وفاداری کا اعلان بھی کریں گے۔ اسلامی فقہ میں "امت" سے مراد ایک آفاقی عالمی نظام لیا جاتا ہے جسے شریعت کے مطابق خلیفہ چلاتا ہے، اس کی بنیاد نبی پاک

ﷺ نے 622ء میں مدینہ میں رکھی۔ خلافت کے ماتحت علاقے میں رہنے والے یہودی اور عیسائی ایک علیحدہ کمیونٹی کے طور پر رہ سکتے ہیں مگر برابری کے حقوق کی بنیاد پر نہیں۔

خلافت کا تصور قومی ریاستوں کا وجود تسلیم نہیں کرتا، اس کی واحد قومی اکائی ''امت'' تمام مسلم خطوں پر مشتمل ہے۔ یوں خلیفہ بغدادی نے مشرق وسطیٰ کے تمام مسلم ممالک کی حکومتوں کی آئینی حیثیت چیلنج کر دی ہے۔ امکان ہے کہ ان ممالک کے کچھ حلقے خلیفہ بغدادی کی اطاعت کا اعلان کر دیں گے، جس سے داخلی بے چینی بڑھ جائے گی، اس کا اندازہ سعودی عرب، کویت، یو اے ای، قطر اور ترکی کے رد عمل سے کیا جا سکتا ہے۔ اس پیش رفت پر شیعہ آبادی اور ایران کو سخت تشویش کا اظہار کرنا چاہیے۔ کیونکہ خلیفہ البغدادی کی نظر میں چونکہ شیعہ منکر اسلام ہیں، اس لیے اگر وہ تائب ہو کر اصل دین کی طرف واپس نہیں لوٹتے تو انہیں جسمانی طور پر مٹا دینا چاہیے۔ صدام حسین کے عراق میں شیعہ آبادی پر مظالم کا خاتمہ 2003ء میں ہوا جب ان کی حکومت ختم کر دی گئی۔ خلیفہ البغدادی کے اچانک عروج کی وجہ عراق کی سنی آبادی پر ٹوٹنے والے مظالم ہیں جو ایران کی سرپرستی میں نوری المالکی حکومت کی تشکیل کے بعد شروع ہوئے۔ شام میں بھی سنی آبادی کو صدر اسد کی شیعہ حکومت نے سنگین مظالم کا نشانہ بنایا۔ حالیہ برسوں میں ''اسلام کے دشمنوں'' کے خلاف قابل ذکر کارروائی میں القاعدہ کی ناکامی کی وجہ سے مغرب سے نئے ممکنہ رنگروٹس بددلی کا شکار تھے۔ خلیفہ البغدادی کی وجہ سے امکان ہے کہ ان میں نئے سرے سے امیدیں اجاگر ہوں گی، بعض مشرق وسطیٰ کا رخ کر سکتے ہیں۔

عالمی سطح پر اپنی استعداد اور صلاحیت ثابت کرنے یا منوانے کے لیے خلیفہ البغدادی پیروکاروں کو ''کفار'' کی سرزمین، خصوصاً امریکہ کو نشانہ بنانے کی ہدایات جاری کر سکتے ہیں۔ روس اور چین بھی خلافت بغدادیہ کے اہداف میں شامل ہوں گے۔ چیچنیا اور داغستان کے اسلامی گروپ خلافت بغدادیہ کے ساتھ الحاق کا اعلان کر سکتے ہیں۔ چین کے پاکستان کے ساتھ گہرے روابط کے باعث القاعدہ اور اس کے اتحادی وہاں بڑے پیمانے پر دہشت

گردی کرنے میں ناکام رہے، امکان ہے کہ الغوراسلامی گروپ جلد القاعدہ کے ساتھ اپنی وابستگی ختم کر کے خلیفہ بغدادی کے ساتھ الحاق کر لیں گے۔ حزب التحریر کے حامی دہشت گرد گروپوں کے خطرے میں گھرے وسط ایشیا کے ممالک کو لاحق خطرات بڑھ سکتے ہیں۔ جنوبی ایشیا کے بنیاد پرست گروپوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان جلد خلیفہ البغدادی کے حق میں نعرے بلند کرتے دکھائی دیں گے۔ مشرق وسطیٰ کے بدلتے حالات پر بھارت کو سخت تشویش کا اظہار کرنا چاہیے جس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اولین یہ کہ بھارتیوں کی کثیر تعداد روزگار کے لیے مشرق وسطیٰ میں مقیم ہے جن میں زیادہ تر غیر قانونی طور پر رہ رہے ہیں۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ بھارت مشرق وسطیٰ میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کی پوزیشن میں نہیں، حتیٰ کہ خلیفہ البغدادی کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق رکھنے والی ریاستیں بھی بھارت کی مدد نہیں کر سکتیں۔ تاہم اس بات کا امکان بہت کم ہے کہ مشرق وسطیٰ میں مقیم بھارتی تارکین وطن کو کسی قسم کا نقصان پہنچے گا، کیونکہ بھارتیوں کو نقصان پہنچا کر خلیفہ البغدادی کسی قسم کے مقاصد حاصل نہیں کر پائیں گے۔

نئی خلافت اپنے زیر قبضہ علاقے کے لوگوں کو ضروری بنیادی سہولتیں پہنچانا چاہے گی جس کے لیے اسے ہنر مند بھارتیوں کی ضرورت ہے۔ بھارتی تارکین کے لیے اصل خطرہ متحارب گروپوں کے درمیان فائرنگ ہے جس کا وہ شکار بن سکتے ہیں۔ سنگین معاشی مصائب کا خطرہ اس کے علاوہ ہے کیونکہ خام تیل کی درآمدات کا بڑا ذریعہ مشرق وسطیٰ کے ممالک ہیں۔ ایران پر ممکنہ اقتصادی پابندیاں حالات مزید بگاڑ سکتی ہیں۔ عراق جو کہ بھارت کا اہم ٹریڈنگ پارٹنر ہے، کی معاشی ابتری بھارتی برآمدات کو بھی متاثر کرے گی۔ حزب التحریر کی نظریاتی فکر سے متاثر بعض بنیاد پرست بھارتی مسلم نوجوان خلیفہ البغدادی کے پیروکار بننا چاہیں گے جس سے وہ داخلی سطح پر سیکیورٹی رسک بن سکتے ہیں۔ حزب التحریر خفیہ طور پر اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلم بھارتیوں کے بعض حلقوں میں گہرا اثر ورسوخ قائم کر چکی ہے، بغدادی خلافت کی وجہ سے بھارت میں عالمی دہشت گردی کی نئی لہر شروع ہو سکتی ہے۔

حالات کو مزید بگاڑ سے بچانا اسی صورت ممکن ہے کہ ایران کی سپریم لیڈر علی خامینائی اپنے پٹھو عراقی وزیر اعظم المالکی پر زور دیں کہ ایک غیر فرقہ پرست اعتدال پسند رہنما کے حق میں دستبردار ہو جائیں تا کہ اعتدال پسند سنی آبادی کی ناراضگی دور کر کے خلیفہ البغدادی کے بڑھتے قدم روکے جاسکیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جناب علی خامینائی عراق کے مذہبی رہنما اور اعتدال پسند شخصیت علی سیستانی کے ساتھ اختلافات کو اپنی انا کا مسئلہ بنانے سے گریز کریں۔ جناب علی خامینائی کو احساس ہونا چاہیے کہ عراق کی اعتدال پسند سنی آبادی کے ساتھ سیاسی مصالحت کے بغیر خلیفہ البغدادی کے بڑھتے قدم روکنا اور اسے ایران میں اپنا اثر ورسوخ پھیلانے سے باز رکھنا مشکل ہوگا۔ عالمی برادری بھی اپنا کردار ادا کرے اور پہلے مرحلے میں ایران پر عائد پابندیاں نرم کرے۔ جب تک عالمی برادری خصوصاً مشرق وسطیٰ کے ممالک، خلیجی ریاستیں، روس اور امریکی قیادت میں مغربی بلاک اور ایران فوری اقدامات نہیں اٹھاتے، جہادی دہشت گردی اور انتشار پسند قوتوں کا خطرہ پوری دنیا پر منڈلاتا رہے گا۔

(دی ہندو)

☆☆☆

پاکستان اور داعش

ڈیکلن والش

پاکستان بھر میں داعش (دولت اسلامیہ عراق و شام یا آئی ایس آئی ایس) کے سیاہ جھنڈے (Black Standard یا رایۃ السودا) کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔ شہری آبادیوں سے لے کر طالبان کے محفوظ ٹھکانوں تک اس جنگجو گروپ کا نشان (Logo) اور نام تیزی سے دیواروں، پوسٹروں اور پمفلٹوں پر نمودار ہونے لگا ہے۔ گزشتہ ماہ جنگجو کمانڈروں کے ایک گروپ نے از خود دولت اسلامیہ کے خلیفہ ہونے کے دعویدار ابوبکر البغدادی کے ساتھ اپنی وابستگی کا اعلان کر دیا۔ عراق اور شام میں داعش کی زوردار کامیابی کے بعد ہزاروں میل دور بیٹھے سکیورٹی حکام اور جنگجو نیٹ ورک اس کے ساتھ اپنے اپنے انداز میں حساب چکانے کی تیاری کرر ہے ہیں۔

داعش کی کامیابیوں نے پاکستان کے جنگ سے تھکے ہوئے جنگجوؤں کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق انہیں داعش کے برانڈ میں کئی فائدے نظر آرہے ہیں...... یعنی رقوم کی جمع آوری، نئی بھرتیاں، مخالف گروپوں پر ممکنہ بالادستی اور سب سے بڑھ کر جہاد کا ایک نیا نمونہ یا ماڈل۔ اگرچہ داعش پاکستان میں سرگرم عمل نہیں، لیکن اس کی

علامتی موجودگی بھی باعث تشویش ہے۔ 1980ء کی دہائی میں القاعدہ کی تشکیل کے بعد انتہا پسند نظریات رکھنے والے کئی دوسرے گروپوں نے بین الاقوامی سطح کے حملوں کے لیے بڑی آسانی سے وسائل اور حمایت حاصل کر لی تھی۔ پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس اینڈ سٹڈیز کے ڈائریکٹر محمد عامر رانا کی رائے میں: ''یہ اہم نہیں کہ داعش پاکستان میں موجود نہیں، اس نے یہاں عسکریت کی حرکیات کو تبدیل کر دیا ہے۔ ہمارے (جنگجو) گروپ بحران کا شکار تھے، داعش نے انہیں ایک طاقتور فریم ورک دے دیا ہے، جس نے ان کا بیانیہ (Narrative) بدل دیا ہے۔''

پاکستانی فوج کے نئے سپہ سالار جنرل راحیل شریف نے اس ہفتے اپنے دورہ واشنگٹن میں اپنے امریکی میزبانوں کو یقین دہانی کرائی ہے کہ داعش کو پاکستان میں پنپنے نہیں دیا جائے گا۔ دوسرے حکام کا کہنا ہے کہ مقامی گروپ اپنے مقاصد کے لیے اس (داعش) کا نام استعمال کر رہے ہیں۔ غیر جہادی گروپ بھی داعش کے برانڈ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کراچی کے سیکولر سیاستدانوں کے دعوے کے مطابق داعش کی وال چاکنگ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگجو، مہاجرین کے بھیس میں شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ تاہم پشتون لیڈروں نے اس کی تردید کی ہے۔ اس کمیونٹی کے لیڈر عبدالرزاق نے کہا۔ ''اس سراسر مبالغہ آمیز دعوے کا مقصد ہماری برادری کو بدنام کرنا ہے۔ لیکن پاکستانی طالبان کے منحرف نیٹ ورک کے اندر دولت اسلامیہ کا مظہر اثر انداز ہونے کے علاوہ کشیدگیوں کو مہمیز دے رہا ہے۔ شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن چھٹے مہینے میں داخل ہو گیا ہے۔ داعش نے جنگجو لیڈروں کو اپنی خامیوں کا جائزہ لینے اور انہیں دور کرنے کی راہ سجھائی ہے۔ داعش کی وجہ سے ہی طالبان کے سابق ترجمان شیخ مقبول کی سربراہی میں چھ کمانڈروں نے اکتوبر میں دولت اسلامیہ کے ساتھ وابستگی کا اعلان کیا تھا۔ علیحدہ ہونے والے اس گروپ کے ایک دوسرے لیڈر ابوذر خراسانی نے کہا۔ ''مجاہدین کی بہت بڑی تعداد ہمارے ساتھ ہے۔ ہم جلد فیصلہ کریں گے کہ دولت اسلامیہ کی مدد کس طرح کی جائے۔'' پشاور میں مقیم ایک طالبان کمانڈر نے اپنا

نام صیغہ راز میں رکھنے کی شرط پر بتایا کہ علیحدگی کی وجہ طالبان قیادت میں پیدا ہونے والے اختلافات تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ بہت سے جنگجو ابوبکر البغدادی کے ویڈیو خطاب سے بے حد متاثر ہوئے۔ وہ ملا عمر سے یکسر مختلف ہیں جو تیرہ سال پہلے افغانستان پر امریکی حملوں کے وقت سے تقریباً غائب ہیں۔ اسی کمانڈر نے کہا: ''مجاہدین پوچھتے ہیں کہ ہم ایسے قائد کی پیروی کیونکر کریں جس کی موجودگی پوری دہائی سے نامعلوم ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ ان کا صرف عید کے موقع پر پیغام جاری کر دیا جاتا ہے۔''

داعش نے اب تک صرف ایک غیر ملکی عسکری تحریک کو فرنچائز اور وسائل فراہم کیے ہیں۔ یہ انصار البیت المقدس ہے جو صحرائے سینا میں مصروف حکومت کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ اس نے پاکستان میں ایسے کسی گروپ کو سرعام تسلیم نہیں کیا۔ شیخ مقبول نے اپنے ایک ویڈیو پیغام میں کہا کہ انہوں نے گرمیوں میں عرب رابطہ کاروں کے ذریعے داعش تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن ابھی تک ان کی طرف سے جواب نہیں ملا، تاہم اس امر کے آثار موجود ہیں کہ داعش کی قیادت پاکستان کی عسکری تحریک سے واقف ہے اور وہ اس سے کام بھی لینا چاہتی ہے۔ گزشتہ گرمیوں میں داعش نے عافیہ صدیقی کی رہائی کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ ''بچھو کی دم'' (The Scorpion Tail) کے مصنف زاہد حسین کا کہنا ہے: ''یہ نہایت اہم بات ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (داعش) جانتے ہیں کہ عافیہ صدیقی کون تھی اور وہ پاکستانی گروپوں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان اور مشرق وسطیٰ کے جہادی نیٹ ورکس کے مابین اہم نوعیت کے تاریخی اور موجودہ دور میں روابط ہیں۔ اردن کے جنگجو کمانڈر ابو مصعب الزرقاوی، جنہیں امریکی فوج نے 2006ء میں عراق میں ہلاک کیا تھا، 1990ء اور پھر 2000ء کی دہائیوں کے دوران پاکستان اور افغانستان میں طویل قیام کرتے رہے۔ 2011ء میں شام میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو پاکستان اور افغانستان سے مقامی اور غیر ملکی جنگجو وہاں جانے لگے۔ پشاور میں مقیم ایک سکیورٹی افسر نے اپنا نام بتائے بغیر کہا۔ ''یہ روابط

بہت پرانے ہیں۔وہ (جنگجو) خاموشی سے جاتے رہے......قافلے کی صورت میں نہیں بلکہ ایک ایک اور دو دو کر کے۔'' تجزیہ کار مسٹر حسین نے بتایا: ''پاکستان کے وسیع انتہا پسند غیر ملکی بھرتیاں کرتے رہے ہیں۔ حال ہی میں سعودی فنڈز سے متحرک گروپوں نے بلوچستان سے، جہاں شیعوں کے خلاف تشدد جاری ہے جنگجو بھرتی کیے ہیں۔''

کچھ لوگوں کو ڈر ہے کہ یہ جنگجو مشرق وسطیٰ سے بھرپور جذبہ اور عراقی تیل سے حاصل کردہ بھاری رقوم لے کر واپس آئیں گے، جس سے پاکستان میں جاری جنگ میں مزید شدت پیدا ہوگی۔ پشاور کے ایک سیکورٹی افسر نے کہا: ''ہم ایک نیا جنگجو محاذ کھلنے کو نظر انداز نہیں کر سکتے جس کا داعش کے ساتھ براہ راست تعلق ہو۔''

کچھ انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق روابط کا آغاز ہو چکا ہے۔ گزشتہ ماہ ایک اندرونی مراسلے میں صوبہ سندھ کے محکمہ داخلہ نے خبردار کیا کہ ازبکستان سے تعلق رکھنے والے داعش کے ایک نمائندے نے راولپنڈی میں مقیم جنگجو کمانڈر عابد کھوٹ کا تقرر کیا اور اسے کہا گیا ہے کہ وہ پاکستانی گروپوں کو داعش کے دائرے میں لائے۔ اس کے باوجود پاکستانی حکام کا کہنا ہے کہ داعش ایک ایسے ملک میں زیادہ تبدیلی نہیں لا سکے گی جو پہلے ہی برسوں سے خودکش حملوں، قتل و غارت، ڈرون حملوں کے باعث ہزاروں جانیں گنوا چکا ہے۔ شمال مغربی پاکستان میں متعین ایک سرکاری اہلکار نے کہا: ''تدبیری (tactical) اعتبار سے یہاں کچھ بھی نہیں بدلے گا۔''

آخری غیر ملکی جہادی گروپ، جس نے پاکستانی جنگجوؤں میں جوش و جذبہ ابھارا، القاعدہ تھا۔ گزشتہ دہائی کے دوران امریکہ کے 400 ڈرون حملوں میں اسے نشانہ بنایا گیا۔ اس کے سربراہ ایمن الظواہری کے ویڈیو اور آڈیو پیغامات داعش کے سوشل میڈیا پر بھی نظر آتے ہیں۔ ظواہری نے ستمبر میں برصغیر میں القاعدہ ہی کے نام سے ایک نئی فرنچائز کے قیام کا اعلان کیا تھا۔ اسی مہینے اس گروپ کے ترجمان اسامہ محمود نے شام کے متحارب جہادی گروپوں سے اپیل کی تھی کہ وہ امریکہ کے خلاف متحد ہو جائیں لیکن جمعے کے روز یمن میں

القاعدہ کی شاخ نے داعش کی طرف سے قیام خلافت کی مذمت کی ہے۔

دولت اسلامیہ کے خطرے سے نبرد آزما ہونے میں ناکامی سے پاکستان کو القاعدہ سے بھی زیادہ نقصان پہنچے گا۔ پاکستان کے ایک موقر انگریزی اخبار نے حال ہی میں اپنے اداریے میں لکھا: ''اگر اب انتباہی اشارات کو نظر انداز کیا گیا اور پاکستان میں اسے جگہ بنانے سے روکنے میں ناکامی ہوئی تو زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ اسلامک اسٹیٹ جنگجوئیت سے متعلق تمام مسائل کی ماں بن کر ابھرے گی۔''

(بشکریہ: نیویارک ٹائمز)

☆☆☆

بڑھتی ہوئی مقبولیت

وجے پرشاد

8 نومبر کو موصل کے قریب امریکی فضائی حملے سے بال بال بچنے کے ایک ہفتہ بعد خلیفہ اسلامک سٹیٹ ابوبکر البغدادی تند خو ویڈیو پیغام کے ساتھ منظر عام پر آئے۔ انہوں اپنے جنگجوؤں پر ''آتش فشانوں کی طرح پھٹ کر'' جہاد پھیلانے پر زور دیا۔ ان کے تیز حملے امریکہ کے لیے مخصوص تھے۔ البغدادی نے امریکہ کو ''خوفزدہ''، کمزور اور بے دست و پا قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس کے فضائی حملے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے اور امریکہ ''مجاہدین'' کے خلاف لڑنے کے لیے فوج بھیجنے کی حماقت کبھی نہیں کرے گا۔'' اس موقع پر البغدادی نے اعلان کیا کہ داعش نے مصر کے انصار بیت المقدس، یمن اور لیبیا کے درنہ شہر میں متحرک القاعدہ کے جنگجوؤں کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ فتح کے خطبے میں البغدادی نے کہا ''ان کی جماعتیں تقسیم کردو، ان کی تنظیموں میں پھوٹ ڈالو، انہیں مکمل طور پر بکھیر دو۔'' یہ ویڈیو پیغام ظاہر کرتا ہے کہ شام اور عراق کے بعد داعش جزیرہ نما عرب اور شمالی افریقہ کی جانب رواں دواں ہے۔

جب البغدادی نے اپنا ویڈیو پیغام جاری کیا، امریکہ کے سیکرٹری دفاع چک ہیگل عراق اور شام میں امریکی مشن سے متعلق بریفنگ دینے کے لیے کانگریس میں پیش ہوئے۔ ہیگل

نے کانگریس سے خطاب میں کہا "130 فضائی حملوں کے باوجود داعش ابھی تک "سنگین چیلنج" ہے، جلد داعش چھوٹے چھوٹے گروپوں میں منقسم ہونے کی حکمت عملی اپنائے گی جس سے اہداف تک پہنچنا مشکل ہو جائے گا، بھاری ہتھیار چھپانے اور باہمی رابطوں کے طریقے بھی بدل دے گی۔" جہادی گروپ نے کچھ عرصہ قبل اپنی تدابیر کو اس جملے میں بیان کیا، "ہم چٹانوں میں چھپے سانپوں کی طرح ہیں، جو تاریک راستوں کے ذریعے نقل و حرکت کرتے رہتے ہیں۔' محتاط اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانے والوں کے خلاف فضائی حملے ناکافی ہیں۔ تاہم ہیگل کے مطابق امریکہ شمالی شام کی دلدل میں اپنی بری فوج بھیجنے کے لیے تیار نہیں۔ جزیرہ نمائے عرب اور شمالی افریقہ کے جنگجوؤں کی بتدریج اطاعت داعش کو مضبوط بنا رہی ہے۔ القاعدہ کے برعکس داعش خفیہ سرگرمیوں کی قائل نہیں، نہ چھپ کر چند اتحادی گروپوں کے ذریعے قریبی دشمن یعنی عرب حکومتوں یا دور دراز کے دشمن یعنی امریکہ کو نشانہ بناتی ہے۔ داعش عملاً اپنے زیر قبضہ علاقے کی حکمران ہے۔ یمن سے تعلق رکھنے والے القاعدہ کے جنگجوؤں کی اطاعت اس لیے اہم ہے کہ وہ یمن کے صوبے ابین کے وسیع علاقے پر مارچ 2011ء سے جون 2012ء تک قابض رہے جس میں جعار نامی شہر بھی شامل تھا۔ یمن کا یہ تجربہ بتاتا ہے کہ ضروری نہیں کہ القاعدہ بطور دہشت گرد گروپ اپنی پہچان برقرار رکھے، وہ ایک شہری آبادی والے وسیع علاقے کی حکمران بن سکتی ہے۔

شمالی شام پر داعش مئی 2013ء سے جبکہ شمالی عراق کے اہم علاقوں پر اسی سال دسمبر میں قابض ہوئی۔ عسکری فتوحات کے لحاظ نے ایمن الظواہری کی القاعدہ کی نسبت البغدادی کا داعش کو زیادہ معتبر سمجھا جانا حیران کن نہیں۔ پہلی نسل کے عرب جہادی افغانستان کا تجربہ نئی نسل کو سکھانے کے لیے اپنے وطن لوٹے۔ اب عراق اور شام کے آزمودہ کار جنگجو مصر، لیبیا اور یمن پہنچ کر نئے انتہاپسندوں کو تربیت دے رہے ہیں۔ تربیت حاصل کرنے والے نئے انتہاپسند لیبیا کے ساحلی شہر درنہ کو گڑھ بنا چکے ہیں۔ انصار بیت المقدس کے جنگجوؤں کی توجہ جزیرہ نما سینا سے ہٹائی گئی تاکہ مصر پر زیادہ سے زیادہ توجہ مرکوز

کی جا سکے۔ درنہ میں موجود اے پی کی رپورٹر میگی مائیکل کے مطابق سب سے پہلے جہادیوں نے انتہا پسند گروپوں کو دھمکایا، پھر اطاعت قبول نہ کرنے والے ہر جنگجو کو قتل کر دیا۔ طاقت کا استعمال داعش کی ضرورت ہے، شام اور عراق میں ان کی جدوجہد کا متاثر کن ہونا بھی ضروری ہے۔ دلیرانہ اقدامات اور بے باک جدوجہد کے ذریعے داعش ان چھوٹے انتہا پسند گروپوں کو اپنی طرف مائل کر سکتی ہے جنہیں اپنی محدود جدوجہد کا کوئی مقصد دکھائی نہیں دے رہا۔ مشرق وسطیٰ کے ان سیاسی کارکنوں کے لیے داعش کشش کا سامان بن سکتی ہے جنہیں طویل مگر پرامن جدوجہد کے دوران سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ عرب سپرنگ کی کامیابی سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ کی گئی مگر مغرب اور خلیجی عرب ریاستوں نے وہی چہرے اور ریاستی مشینری دوبارہ سے مسلط کر دی جن سے خلاصی پانے کے لیے عوام سڑکوں پر آئے۔

اپریل 2013ء کو عراقی سکیورٹی فورس نے الحویجہ کے پرامن مظاہرین پر گولیاں برسائیں جس میں لاتعداد لوگ ہلاک کر دیئے۔ چند ماہ بعد قاہرہ میں پرامن مظاہرین کے خلاف کریک ڈاؤن کے دوران مصری سکیورٹی فورسز نے ایک ہزار سے زائد پرامن مظاہرین ہلاک کر دیئے۔ دونوں واقعات دراصل پرامن مزاحمت کا دروازہ سختی کے ساتھ بند کرنے کے لیے تھے۔ پرامن مظاہرین کی ہلاکت پر مغرب نے خاموشی اختیار کی، بلکہ مصر اور عراق میں سخت گیر حکمرانوں کی واپسی کو نجی سطح پر ستائش کی نظر سے دیکھا گیا۔ ان مایوس کارکنوں کا ساتھ پانے میں داعش کو زیادہ مشکل پیش نہیں آئی، جنہیں مصر کی فوجی حکومت اور عراق سمیت دیگر ملکوں کی نام نہاد جمہوری حکومتوں سے انصاف کی امید نہیں۔ یہی مایوسی افغانستان اور پاکستان کے طالبان اور صومالیہ کی الشہاب گروپ کے ہاتھ مضبوط کرتی آئی ہے۔ جب تک ریاست کے طاقت ور حلقے اور اشرافیہ عام شہریوں کی خواہشات اور امیدیں کچلتے رہیں گے، داعش اور طالبان جیسی انتہا پسند سفاک تنظیمیں عام لوگوں کی مایوسی کا فائدہ اٹھاتی رہیں گی۔ مصر میں بھی یہی حالات پیدا ہو رہے ہیں۔

2011ء میں عرب دنیا کے دارالخلافوں سے اٹھنے والی تبدیلی کی لہر ایک نئے معنی کے ساتھ دوبارہ جنم لے رہی ہے۔ پہلی لہر ایک سماجی طاقت کے طور پر سامنے آئی جو کسی کا خون بہانے اور اقلیتوں سے نفرت کی قائل نہ تھی۔ اس سماجی لہر کو خلیجی عرب ریاستوں اور ان کے مغربی اتحادیوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ عام شہریوں کی شکایت کے سختی سے کچلے جانے کا عمل داعش جیسی طاقت کو پوری قوت کے ساتھ پروان چڑھا رہا ہے۔ ان میں بدترین کرپشن کے خلاف سرگرم الحویجہ کے مظاہرین، بہتر تنخواہوں کا مطالبہ کرنے والے لیبیا کے آئل ورکر دونوں شامل ہیں۔ ریاستی مشینری کی سخت لاٹھیاں دونوں کو کھانا پڑیں۔ مزید تشدد سے بچنے اور انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے انہیں خلیفہ ابوبکر البغدادی کا دروازہ دکھایا جارہا ہے۔

(بشکریہ ڈیلی دی ہندو)

☆☆☆

قبائل کا کردار

رابرٹ فسک

نیم فوجی تنظیمیں (ملیشیا) مجھے فکر و تشویش میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ کیونکہ نہ تو ان کا کوئی قانون، ضابطہ ہوتا ہے، نہ رہنما اصول اور نہ ہی جزا و سزا کا کوئی نظام۔ اسرائیلیوں نے ایک غیر منظم ہجوم کو استعمال کیا، جسے جنوبی لبنانی فوج کہا جاتا تھا۔ امریکیوں نے عراق میں امریکی فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے والے القاعدہ کے کارکنوں کو قتل کروانے کے لیے اپنے بدنام زمانہ ''بیداری گروپ'' استعمال کیے۔ حزب اللہ لبنان...... اور اب شام میں ایران کی نیم فوجی تنظیم ہے۔

میں شام کی قومی دفاعی افواج (این ڈی ایف) کا مشاہدہ کرنے شام کے دور افتادہ شمال مشرقی شہر قمیشلی پہنچا۔ عراق کی بستی باکوفہ کے آئی ایس آئی ایس مخالف دوبخ نوشانامی نوتشکیل شدہ گروپ کی طرح شام کی این ڈی ایف میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مسیحی بھی شامل ہیں۔ آپ مغالطے میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ تنظیم حکومت کی پشت پناہی میں سرگرم عمل ہے، اسی لیے اس کے جھنڈے پر شام کے قومی رنگوں میں ایک مکا بنا ہوا ہے۔ اس میں شامل افراد کی تعداد نو سو کے لگ بھگ ہے جبکہ اس کا مشن نہایت واضح ہے۔ شام کی فوج ملک کو کنٹرول نہیں کر سکتی۔ وہ آئی ایس آئی ایس اور دوسرے عسکریت پسند گروپوں کے قبضے

میں آئے علاقوں کو تو ان کے قبضے سے چھڑا سکتی ہے لیکن وہ اپنے قبضے میں آئے ہوئے تمام علاقوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے سے قاصر ہے۔ اسی لیے این ڈی ایف قائم کی گئی۔ فوج جن علاقوں کو عسکریت پسندوں کے قبضے سے چھڑاتی ہے، این ڈی ایف کو وہاں جم کر بیٹھنا ہوتا ہے۔ علوی پہاڑوں میں اس کے دشمن اپنے آپ کو شبیہا کہلواتے ہیں لیکن شامی جنگ کے ابتدائی برسوں کے قتل عام کے بعد انہیں مرکز کے کنٹرول میں لے آیا گیا تھا۔ قمیشلی میں این ڈی ایف کا کمانڈر فوج کا ایک میجر ہے۔ قمیشلی میں این ڈی ایف کے اولین یونٹ ایک قبائلی رہنما ابوداری نے قائم کیے تھے۔ میجر نے بتایا "ابتدا میں یہ مکمل طور پر قبائلی فوج تھی۔ پھر بتدریج ہم نے قبائلی مدافعت ختم کی۔ اب قبیلوں کے اپنے جتھے نہیں ہیں۔ ہم نے قبائلی احساسات سے فائدہ اٹھایا لیکن اب ہم ایک کثیر القبائل فوج تشکیل دے چکے ہیں۔ ہمارے پاس مختلف قبیلوں کے جوان موجود ہیں۔ بعض افراد کا تعلق دمشق کے مضافاتی علاقے سے ہے جہاں سے انہیں فرار ہونا پڑا تھا۔ وہ حفاظت اور جاسوسی کا کام انجام دیتے ہیں۔ ہم جب بھی کسی بستی کا قبضہ حاصل کرتے ہیں، انہیں وہاں متعین کر دیتے ہیں۔" ان کی مثال شمالی آئر لینڈ کے بی سپیشلز جیسی ہے، جو اس علاقے سے بخوبی واقف ہیں اور جو اس عظیم الشان صوبے میں ایک پروٹیسٹنٹ کی طرف سے ایک کیتھولک سے بات کر سکتے ہیں (جو کہ ان کا مقصد ہے) اور جو کہ لوگوں کو جانتے ہیں۔ بہر حال قمیشلی میں متعین اس فوج میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ شامی مسیحیوں کے علاوہ چند آرمینیائی بھی موجود ہیں۔ زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس نیم فوجی تنظیم کے دو سو جوانوں پر مشتمل ایک طاقتور یونٹ میں شامل تمام جوان مسیحی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو سوتورو کہلواتے ہیں۔ شامی زبان میں اس لفظ کے معنی ہیں "تحفظ" شاہین کا سر اس یونٹ کا نشان ہے۔ میں ان جوانوں سے ملنے شہر کے وسط میں پہنچا۔ خلدون ہنو نامی شامی نوجوان اس مقصد سے سوتورو میں شامل ہے کہ اپنے ساتھی مسیحیوں کو قائل کرے کہ وہ اپنے گھر نہیں چھوڑیں گے۔ اس نے کہا "مسیحی اتنی تعداد میں اس لیے رہ گئے ہیں کہ انہیں سویڈن جانے کی سہولت میسر ہے۔ ہم نے ابتدائی

ہی میں فیصلہ کرلیا تھا کہ اپنے ملک اور اراضِ وطن کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ سویڈن نہیں شام ہمارا وطن ہے۔ ہم صرف اس شہر کے اندر سرگرم عمل ہیں۔ اس لیے اپنے دوسرے ساتھیوں کے برعکس ہمیں زیادہ جانی نقصان نہیں اٹھانا پڑا۔'' جن لوگوں سے میں نے ملاقاتیں کیں، ان میں ایک سرکاری ملازم، ایک الیکٹریشن اور ایک نجی کمپنی کی مصنوعات فروخت کرنے والا شخص شامل تھا۔ خلدون ہنو کے دو بھائی ہیں۔ ایک فوج میں ہے جبکہ دوسرے کی پیزا کی دکان ہے۔ وہ خوب مزے میں ہیں لیکن شہر کے باہر جنوری 2013ء میں اپنے قیام کے وقت سے این ڈی ایف کے پچاس جوان ہلاک ہو چکے ہیں۔ عسکریت پسند گروپوں نے شب خون مار کر بعض لوگوں کو ان کی قبائلی بستیوں سے نکال کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ مثال کے طور پر احمد سلیمان عبدالعزیز کو جبارت نامی بستی سے اٹھایا گیا جہاں وہ اپنی بیوی اور چھ بچوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ قریب ہی کسی نامعلوم مقام پر لے جا کر اس کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔ میجر نے بتایا ''تین جوانوں کو اٹھالیا گیا تھا، جن کی گردنیں تین مئی کو کاٹ دی گئیں۔ قاتلوں نے ان کی گردنیں کاٹے جانے کی ویڈیو بنا کر ہمیں بھیج دیں۔ ہم سب نے وہ ویڈیو دیکھی ہے۔'' ایسے واقعات ہیں۔

مجھے بتایا گیا کہ بعض لوگوں کی گردنیں کاٹنے کے بعد ان کے قتل کی ویڈیو دوسرے لوگوں کو بھیجنے سے پہلے مقتولین کے والدین اور بیویوں کو بھیجی گئیں۔ نیم فوجی تنظیم میں شامل ایک اور فرد نے بتایا ''بے رحمی آئی ایس آئی ایس تک ہی محدود نہیں۔ آئی ایس آئی ایس سے پہلے بھی اس طرح کی تنظیمیں بے رحمانہ کاروائیاں کر رہی تھیں۔ چونکہ ہم فوج کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں اور ایسے بستیوں کے حالات کے بارے میں آنکھوں دیکھے واقعات سے آگاہ کر سکتے ہیں، اس لیے مسلح گروہ ہم سے بہت نفرت کرتے ہیں۔ ہم ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے ہی جوانوں کی جانیں بچا چکے ہیں۔ فوج کی طرح این ڈی ایف بھی دشمنوں کو قیدی نہیں بناتی۔ میں نے خلدون ہنو سے پوچھا شامی جنگ کب ختم ہوگی۔ اس نے جواب دیا۔ ''ہمیں امید ہے جنگ جلد ختم ہو جائے گی لیکن ہمارا خیال ہے ہمیں کچھ زیادہ عرصہ لڑنا

پڑیگا۔ وقت کا پہیہ گردش کرتا رہتا ہے۔"

وقت کا پہیہ گردش کرتا ہے تو انوکھے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ فوجی اور نیم فوجی تنظیموں کے جوان اپنے اصل ناموں کے ساتھ ساتھ عرفیت کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر قمیشلی کے جنوب میں متعین شامی پیراشوٹ رجمنٹ کے فرسٹ لیفٹیننٹ حسن اللہ کو "آئی ایس آئی ایس کے لیے دہشت کا بادشاہ" کہا جاتا ہے۔ جب وہ چھٹی سے واپس آتا ہے تو اس کے ساتھی مقامی لوگوں کو اس کی واپسی کے بارے میں بتا دیتے ہیں تاکہ آئی ایس آئی ایس کو معلوم ہو جائے کہ وہ پھر سے آ گیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ اسے یہ عرفیت کس طرح حاصل ہوئی اور اس بارے میں میرے اپنے شبہات ہیں۔ ادھر عسکریت پسند گروپوں میں خواتین بھی شامل ہونے لگی ہیں۔ این ڈی ایف کہتی ہے کہ مراکشی خواتین فوجی افسر ترکی میں عسکریت پسندوں کی ایک چوکی پر متعین ہیں۔ دو عسکریت پسند خواتین ہلاک ہوئیں۔ ان کے پاس سے یوکرائنی پاسپورٹ ملے۔ اس خوف انگیز جنگ میں ہم مزید کتنے رازوں سے واقف ہوں گے اور کتنے راز کبھی منکشف نہیں ہوں گے؟ چار ستارہ ہوٹل؟ ہاں وہ قریب ہی ہے۔ قمیشلی کی روشن سڑک پر "میری لینڈ ہوٹل" کا جگمگاتا نیون سائن ہر مہمان کا خیر مقدم کرتا ہے۔ یہ پرانی طرز کا ہوٹل ہے۔ گزشتہ اچھے دنوں میں اس کی تزئین نو کی گئی تھی۔ اس میں نہانے کا تالاب اور کمرہ عروسی بھی ہے۔ اس کا مالک حقیقتاً ایک شریف النفس شخص ہے۔ بہر حال ہوٹل کی دیواریں سیلن زدہ ہیں۔ میری خواب گاہ کے دروازے کا ہینڈل ندارد تھا۔ فلش کام نہیں کرتا تھا جب کہ شاور سے ٹھنڈا پانی آتا تھا۔ عوام کے لیے جنگ ایسی تکالیف لاتی ہے۔ جب ہم یہاں پہنچے تو ڈرائیور نے ایک جملہ کہا تھا، جو سچ ثابت ہوا۔ "یہ چار ستارہ ہوٹل ہے لیکن اس کے دو ستارے غائب ہو چکے ہیں۔"

(بشکریہ: دی انڈی پینڈنٹ)

☆☆☆

داعش، پاکستان اور افغانستان

داؤد خٹک

اکتوبر 2014ء کے آغاز میں ٹی ٹی پی (تحریک طالبان پاکستان) کے ترجمان شاہد اللہ شاہد نے اعلان کیا کہ ان کا گروپ، داعش (دولت اسلامیہ عراق وشام یعنی آئی ایس آئی ایس) کی حمایت کرے گا۔ انہوں نے داعش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے ہمارے بھائیو! پوری دنیا کے مسلمان آپ سے بڑی توقعات رکھتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کو جنگجو اور ہر طرح کی حمایت فراہم کریں گے۔" اگلے روز ٹی ٹی پی کے سربراہ ملا فضل اللہ نے داعش کے ساتھ اپنے گروپ کی وابستگی کی تردید کرتے ہوئے اپنے تحریری اور آڈیو پیغام میں واضح کیا کہ وہ افغان طالبان کے سربراہ ملا عمر کے ساتھ اپنی وفا داری کی تجدید کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: "ہم ملا محمد عمر کی بیعت کر چکے ہیں۔ میں دنیا بھر کے مجاہدین کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ملا عمر کی قیادت میں کفار کے خلاف جہاد جاری رکھیں۔ اگر ملا عمر حکم دیں تو ہم اپنے مجاہدین نہ صرف عراق، شام اور یمن بلکہ دنیا کے کسی بھی حصے میں بھیجنے کو تیار ہیں۔"

شاہد اللہ شاہد کے 5 اکتوبر کے بیان اور اس کے ردِعمل میں ملا فضل اللہ کے پیغام سے اڑنے والی گرد ابھی بیٹھ نہیں پائی تھی کہ شاہد اللہ شاہد نے 14 اکتوبر کو ایک تازہ بیان میں کہا

کہ ان کے علاوہ پشاور، ہنگو، کرم، اورکزئی اور خیبر سے ٹی ٹی پی کے پانچ کمانڈر داعش (آئی ایس آئی ایس) کے ساتھ اپنی وابستگی اور وفاداری کا اعلان کرتے ہیں۔ اس اعلان سے ٹی ٹی پی کو اس سال کا آخری جان لیوا دھچکا لگا۔

پاکستانی طالبان کی قیادت کے لیے اندرونی لڑائی اور دھڑے بندی حکیم اللہ محسود کی ہلاکت کے بعد ہی شروع ہوگئی تھی۔ حکیم اللہ نومبر 2013ء میں امریکہ کے ڈرون حملے میں مارا گیا تھا۔ اس کے بعد ٹی ٹی پی کے سجنا اور شہریار محسود کے دھڑوں میں قبائلی علاقے سے تعلق نہ رکھنے والے سوات کے ملا فضل اللہ کو نیا امیر بنانے پر تنازع ہوا۔ اس دوران ٹی ٹی پی پنجاب کے سربراہ عصمت اللہ معاویہ نے دہشت گردی کو خیرباد کہنے کا اعلان کردیا جبکہ ملا فضل اللہ کے دست راست خالد خراسانی نے اگست 2014ء میں جماعت الاحرار کے نام سے اپنا علیحدہ گروپ بنالیا۔ پاکستانی فوج 15 جون 2014ء سے شمالی وزیرستان میں آپریشن شروع کرچکی ہے، جس میں اب تک ٹی ٹی پی کا بنیادی ڈھانچہ (انفراسٹرکچر) تباہ ہو چکا ہے، سیکڑوں دہشت گرد مارے جاچکے ہیں اور بہت سے فرار ہوگئے ہیں اب شاہد اللہ شاہد کی داعش سے وابستگی سے ملا فضل اللہ کی اتھارٹی بڑی حد تک کمزور ہوگئی ہے۔

جہاں نئی گروہ بندی سے ٹی ٹی پی کی کمزوری عیاں ہوئی، وہاں اس علاقے میں ایک نیا پنڈورا باکس بھی کھل گیا، جو جنگجو اور دہشت گرد گروپوں کی پناہ گاہ تھا۔ متعدد پاکستانی اخبارات نے اپنے اداریوں میں ایک بھیانک مستقبل کی نشاندہی کی ہے۔ کالم نگاروں اور تجزیہ کاروں نے بھی اس علاقے میں داعش کی آمد پر شدید تشویش ظاہر کی ہے۔ سب سے پہلے ستمبر 2013ء میں پشاور میں داعش کی حمایت میں پمفلٹ تقسیم کیے گئے تھے۔ نوجوانوں کی داعش میں شمولیت کے خدشے کے پیش نظر پاکستان علماء کونسل نے 18 اکتوبر کو ایک بیان جاری کیا، جس میں داعش کی مذمت کی گئی اور تمام مسلمان ملکوں سے کہا گیا کہ وہ اس تشدد پسند گروپ کی حمایت نہ کریں کیونکہ ان کے عقائد اور اعمال اسلامی تعلیمات اسلام کے خلاف ہیں۔

کیا داعش پاکستان اور افغانستان میں قدم جما سکتی ہے؟ اس اہم سوال کا جواب بالکل نہیں۔ جی ہاں بے نام پمفلٹ تقسیم کرنے سے قطع نظر داعش کے پاکستان میں جگہ بنانے کا اندیشہ نہیں ہے کیونکہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں درجن سے زائد مقامی اور بین الاقوامی جنگجو اور دہشت گرد گروپوں کے ٹھکانے قائم ہیں اس لیے وہاں داعش کے ارکان کی موجودگی کو یکسر نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا: تاہم زمینی حقائق اور علاقائی حرکیات کی نوعیت کو پیش نظر رکھا جائے تو یہاں داعش کے پھیلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلا اور سب سے بڑا چیلنج افغان طالبان ہیں اگر داعش پاکستان یا افغانستان میں جڑیں پکڑتی ہے اور یہاں اس کی سرگرمیاں میں اضافہ ہوتا ہے تو افغان طالبان کی فنڈنگ اور نئی بھرتیاں شدید طور پر متاثر ہوں گی۔ اس کے علاوہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں سرگرم درجن بھر جنگجو بشمول القاعدہ، ملا عمر کے وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہیں جبکہ ابو بکر البغدادی اپنے تئیں پوری مسلم دنیا کے خلیفہ ہونے کے مدعی ہیں۔ لہٰذا پاکستان میں موجود کسی گروپ کی داعش سے وابستگی کا مطلب افغان طالبان سے براہ راست تصادم کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔ طالبان ایسے کسی گروپ کو یہاں قدم جمانے اور ان کے وسائل میں شراکت دار بننے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ جس سے ان کی سرگرمیوں میں فرق پڑتا ہو۔

گزشتہ دہائی کے دوران طالبان کے خودکش بمباروں نے شہریوں کی بہت بڑی تعداد کا خون بہایا، جس کی وجہ سے عوام کی بھاری اکثریت دہشت گردی اور انتہا پسندانہ نظریات سے متنفر ہو چکی ہے۔ داعش کے نظریات تشدد پر مبنی ہیں۔ عراق اور شام میں غیر سنی مسلمانوں اور غیر مسلموں کو قتل کرنا ان کا معمول ہے۔ اس لیے اگر ٹی ٹی پی کے منحرف لیڈر اس میں شامل ہوئے تو انہیں مقامی آبادی کی طرف سے حمایت نہیں ملے گی۔ علاوہ ازیں ٹی ٹی پی اندرونی اختلافات اور دھڑے بندی کا شکار ہے۔ شمالی وزیرستان میں اس کا انفراسٹرکچر تباہ ہو چکا ہے اور چھ کمانڈر ملا فضل اللہ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، اس لیے یہ پہلے کی طرح ایک موثر طاقت نہیں رہی۔

ماہرین کی آرا مختلف ہیں۔ افغانستان میں پاکستان کے سابق سفیر رستم شاہ مہمند کا خیال ہے کہ بھاری مالی وسائل رکھنے کے باوجود داعش کو افغانستان اور پاکستان میں حمایت نہیں مل سکے گی۔ اس کے برعکس دفاعی تجزیہ کار بریگیڈیئر (ر) سعد محمد خان کہتے ہیں: ''چونکہ خطے میں جنگجوئیت کا مرکز موجود ہے اس لیے اگر داعش کو عراق اور شام میں کامیابی مل گئی تو یہ اپنے نیٹ ورک کو اس خطے تک پھیلا سکتی ہے۔''

پاکستانی طالبان کے وہ چھ کمانڈر جنہوں نے داعش کے ساتھ وابستگی کا اعلان کیا ہے، ان کے نام معلوم ہیں اور نہ ان کی اثر پذیری کے بارے میں کچھ کہا جا سکتا ہے: البتہ ایک بات واضح ہے کہ ان کی علیحدگی ٹی ٹی پی کے لیے بہت بڑا دھچکا اور ملا عمر کی اتھارٹی کے لیے ایک چیلنج ہے۔ داعش کے یہ نئے پیروکار اپنا وجود قائم رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو وہ ٹی ٹی پی اور افغان طالبان دونوں کے مالی وسائل اور افرادی قوت کو تقسیم کرنے کے موجب بنیں گے۔ اس سے دوسرے جنگجو گروپوں کو بھی اپنے علیحدہ گروپ تشکیل دینے اور اپنی آزاد پالیسیاں وضع کرنے کی ترغیب ملے گی جس سے ملا عمر کی طاقت کو ضعف پہنچے گا۔

(بشکریہ: فارن پالیسی میگزین)

☆☆☆

مستقبل کا نقشہ

پیٹر جون

مشرق وسطیٰ کے خطے میں لگی آگ کئی نئے پہلو آشکار کر رہی ہے، جو گوناگوں اور مختلف طرح کی قوتوں کے درمیان کشیدگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ شام میں خانہ جنگی، عراق میں، داعش کی شورش، مصر سمیت دیگر کئی ملکوں میں سیاسی افراتفری، سب سے بڑھ کر سنی اکثریت اور شیعہ اقلیت کے درمیان پر امن روابط ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مکمل مذہبی جنگ میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس افراتفری کو سمجھنے کا ایک طریقہ خطے کا بنیادی نقشہ دوبارہ سے کھینچنے کی مشق ہے۔ مگر نقشہ سازوں کے مقاصد بہت مختلف ہوتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کا علاقہ عثمانی سلطنت کے زوال اور یورپی طاقتوں کے مفادات کی داستان ہے جب پہلی جنگ عظیم کے بعد انہوں نے اس خطے کی نقشہ سازی کی۔

جنگ کے بعد اتحادیوں کو نوازنے، اہم استعماری راستوں کے تحفظ اور تیل تک رسائی یقینی بنانے کے لیے برطانیہ اور فرانس نے خطے میں نئی ریاستیں تخلیق کیں۔ یہ نئی ریاستیں خطے کے قبائلی، مذہبی اور دیگر زمینی حقائق کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ اس کے باوجود عراق، سعودی عرب، اردن، شام، لبنان اور دیگر ریاستوں کا قیام عمل میں آیا۔ اردن کے حکمرانوں نے مقامی قبائل کے ساتھ مربوط سیاسی روابط استوار کر لیے، جبکہ دیگر نے جبراً

تابع رکھنے کو ترجیح دی۔ طاقت کا استعمال کرنے والے عراق، لیبیا کے حکمرانوں کا تختہ الٹ دیا گیا جبکہ شام خطرے سے دو چار ہے اور مرکز گریز قوتیں ان ریاستوں کے حصے بخرے کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان میں سے کئی ملک ریاستی وجود برقرار نہیں رکھ پائیں گے، شام اور عراق کی وحدت کا خاتمہ یقینی ہے، یمن اور لیبیا کا یہی انجام ہوسکتا ہے۔ آئندہ چند سالوں میں یہ ملک چھوٹی ریاستوں میں بٹ جائیں گے۔ تاہم مغرب کی اولین ترجیح ان ریاستوں کی جغرافیائی وحدت برقرار رکھنا ہے۔ اس لیے چند عشروں تک حالات ابتر رہیں گے۔

ابتری کی ایک وجہ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ ریاستی ماڈل کے خلاف متحرک قوتوں کے مقاصد ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ کچھ مروجہ عالمی نظام کے مطابق خود مختار ریاستی ڈھانچہ تشکیل دینا چاہتی ہے جیسے کہ کرد۔ شام کی شورش میں بتدریج اضافے کے نتیجہ میں علویوں سمیت چند دوسرے گروپ اپنے تحفظ کے لیے خودمختاری کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ دیگر سرگرم گروپوں کے اہداف موجودہ عالمی نظام سے مطابقت نہیں رکھتے۔ آئی ایس آئی ایس، القاعدہ، النصرۃ گروپ ریاستی نظام کے قائل نہیں۔ وہ افسانوی تصورات پر مبنی مذہبی اصولوں کی اطاعت کی بنیاد پر ایک نیا اسلامی معاشرہ تشکیل دینا چاہتے ہیں۔ ان گروپوں کی آئیڈیالوجی کے زیر اثر آسٹریلیا، کینیڈا، سمیت کچھ مغربی ملکوں میں دہشت گردی کی کارروائیاں دیکھنے میں آئیں۔ ان گروپوں کی ناکامی نوشتہ دیوار ہے کیونکہ بربریت کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہیں کہ لوگوں کی توقعات پر پورا اترنے کی اہلیت سے عاری ہیں۔ ان گروپوں کا مقدر چھوٹے انتہا پسند گروپوں میں منقسم ہونا اور ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہونا ہے جس کے نتیجہ میں انتشار اور کشت و خون غیر معمولی حد تک بڑھ جائے گا۔ فی الوقت یہ گروپ اپنے عظیم مقاصد کے حصول کے لیے متحد اور ایک موثر طاقت ہیں۔ جبکہ مروجہ عالمی نظام سے مطابقت رکھنے والی قوتیں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں۔ عثمانی سلطنت کے انہدام کے بعد مشرق وسطیٰ کا ایک نقشہ وجود میں آیا، موجودہ حالات کو

دیکھتے ہوئے نئے نقشے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔مشرق وسطیٰ میں دو قسم کے قوتیں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں،ایک مروجہ عالمی نظام کے مطابق ریاستی تصور کی قائل ہے،دوسری خطے میں نیا قسم کا نظام مسلط کرنے کے لیے سرگرم ہے۔فی الوقت بعد الذکر قوت کا پلڑا بھاری ہے۔امریکہ شام،عراق وغیرہ کی جغرافیائی وحدت برقرار رکھنا ہے۔انہیں خدشہ ہے کہ نئی ریاستوں کا قیام سنگین پیچیدگیاں پیدا کرے گا۔سنگین پیچیدگیاں سے پہلے سے موجود ہیں۔آئی ایس آئی ایس سمیت دیگر انتہا پسند گروپوں کو کچلنے کے لیے طاقت کا جس قدر استعمال ضروری ہے،مغرب استعمال کرنے سے گریزاں ہے،جغرافیائی وحدت برقرار رکھنے کے لیے بھی اسی قدر طاقت درکار ہے۔شام کی وحدت برقرار رکھنے کے لیے امریکہ بشار الاسد کا وجود برداشت کرنے کو تیار ہے۔امریکی فضائی حملوں نے جدید ریاستی تصور کے حامیوں کو موقع دیا ہے کہ اپنی صفیں درست اور آئی ایس آئی ایس سے نمٹنے کے لیے خود منظم کرلیں۔مروجہ عالمی نظام کا دفاع مغرب کی اولین ترجیح ہے کہ افسانوی مقاصد کے لیے سرگرم عناصر کے رحم وکرم پر خطے کو نہیں چھوڑا سکتا جو بدترین فرقہ واریت اور مذہبی خونریزی میں خطے کو جھونک رہے ہیں۔ان کی بربریت اور سفاکی کا مہذب دنیا تصور بھی نہیں کرسکتی آئی ایس آئی ایس کے خلاف فوری کامیابی کا امکان نہیں۔موجودہ سنگین حالات چند نئے اتحاد وجود میں لا سکتے ہیں۔خطے کے حالات پر سب سے تشویش ایران کو ہے۔انقلاب کی کہانیاں اپنی جگہ،قومی خودمختاری،جغرافیائی وحدت اور ریاستی حیثیت کی بات کی جائے،ایران اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا قائل نہیں۔اگر ایران کے نیوکلیئر پروگرام پرعائد پابندیوں میں کچھ نرمی دکھائی گئی،تو کچھ دلچسپ اور موثر اتحاد وجود میں آسکتے ہیں۔

(بشکریہ ڈیلی دی ہندو)

☆☆☆



طارق اسمٰعیل ساگر کے ناقابل فراموش ناول

میں ایک جاسوس تھا	قیمت =/380
کمانڈو	قیمت =/425
وطن کی مٹی گواہ رہنا	قیمت =/400
لہو کا سفر	قیمت =/350
راہ حق کے شہیدو	قیمت =/400
ٹارگٹ کہوٹہ	قیمت =/350
کراس فائر	قیمت =/350
کٹ آؤٹ	قیمت =/300
چناروں کے آنسو	قیمت =/350
حیدران	قیمت =/270

ساگر پبلی کیشنز
16-ای ٹیمپل روڈ مہتہ سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور